دینی، علمی، اصلاحی، ادبی، تاریخی

زیرِ سرپرستی: مفسرِ قرآن حضرت مولانا سید محمد غیاث الدین صاحب مظاہری دامت برکاتہم

جلد: ۷، شمارہ: ۴

اکتوبر، نومبر، دسمبر ۲۰۲۳ء

مجلہ سہ ماہی

الکشاف

آج امت کے زوال، انحطاط، گراوٹ، ہمارے ملک سے لے کر دنیا بھر کے ملکوں میں جو ہماری بے عزتی اور تذلیل ہو رہی ہے اس کا سبب یہ ہے کہ ہم ضروری کاموں سے الگ ہو کر غیر ضروری کاموں میں لگے ہوئے ہیں۔ میں کہتا ہوں کہ کسی کے پاس کوئی کام نہیں ہے، ریٹائرڈ ہو گئے ہیں تو ایک کام کر لیجئے اور وہی ایک کام تو صرف کام ہے اور وہ یہ ہے کہ ''اللہ اللہ'' کریں، اور ''اللہ اللہ'' کرنے کا مطلب یہ ہے کہ قرآن مجید اٹھا لیجئے، تسبیح اٹھا لیجئے، دین کی کوئی کتاب لے لیجئے اس کو پڑھیے، اور اللہ اللہ کا مطلب یہ ہے کہ آپ کے آس پاس، پڑوس میں، راہ چلتے کوئی راہ گیر آپ کو مل جائے جس کو آپ کے مدد کی ضرورت ہے اور آپ مدد کرنے کے لائق ہیں تو اس کی مدد کر دیجئے، آپ مال سے مدد کر سکتے ہیں تو مالی مدد کر دیجئے، اگر اس کو جسمانی مدد کی ضرورت ہے اور آپ کر سکتے ہیں تو جسمانی مدد کر دیجئے، اگر اس کو آپ کی عزت، آپ کے جاہ و مرتبہ، آپ کے عہدہ و منصب، آپ کے اثر و رسوخ کی ضرورت ہو تو آپ اپنے اثر و رسوخ کا استعمال کر کے اس کی مدد کر دیجئے، یہ سب کام ''اللہ اللہ'' یعنی ذکر اللہ کے مطلب و معنی میں آتے ہیں، خوب سمجھ لیجئے۔

مفسرِ قرآن حضرت مولانا سید محمد غیاث الدین صاحب مظاہری دامت برکاتہم

ایڈیٹر

ڈاکٹر محمد ضیاء الدین مظاہری

-/60

فلاح العباد ٹرسٹ 91/21 آزاد نگر کرامت کی چوکی کریلی الٰہ آباد یوپی

دینی، اصلاحی، علمی، ادبی، تاریخی

مجلّہ سہ ماہی

اَلْکَشّاف

جلد نمبر ۷

شمارہ نمبر ۴

ربیع الاول، ربیع الثانی، جمادی الاولیٰ ۱۴۴۵ھ - October to December 2023

زیر سرپرستی : مفسر قرآن حضرت مولانا سید محمد غیاث الدین صاحب مظاہری دامت برکاتہم

ایڈیٹر

ڈاکٹر محمد ضیاء الدین مظاہری

معاون ایڈیٹر

مولانا عماد الدین مظاہری

مولانا حافظ سید محمد راشد

مجلس ادارت

پروفیسر شبیر احمد ندوی

سابق صدر شعبہ عربی لکھنؤ یونیورسٹی

مولانا وصی اللہ آرزو میاں

جلال آباد، ضلع شاملی

مولانا سید محمد زید، الہ آباد

مولانا سید محمد اشرف، الہ آباد

ڈاکٹر محمد کامل، لکھنؤ، مقیم امریکہ

مجلس مشاورت

جناب محمد ثاقب صاحب

آئی ای، ایس

جناب محمد عرفان انصاری صاحب

ایڈیشنل ایس پی

جناب ڈاکٹر شوکت علی صاحب

سابق ڈائرکٹر آف ایجوکیشن

جناب طارق سعید صاحب، الہ آباد

جناب محمد کلیم خان صاحب، مہراج گنج

جناب وسیم احمد صاحب، گونڈہ

FLAHUL IBAAD TRUST 9I/2I Azad Nager
Karamat ki chauki Kareli Allahabad,UP India 2211016

ترسیل زر کا پتہ: ***FLAHUL IBAAD TRUST PNB A/c:1001002100506383***

پرنٹر پبلشر محمد ضیاء الدین مظاہری نے. جے پرنٹرس الہ آباد سے طبع کرا کے دفتر مجلّہ سہ ماہی "الکشاف" فلاح العباد ٹرسٹ آزاد نگر کریلی سے شائع کیا۔

نوٹ: رسالے سے متعلق تمام مقدمات صرف الہ آباد کی عدالت میں قابل سماعت ہوں گے۔

ناشر

فلاح العباد ٹرسٹ، 91/21 آزاد نگر، کرامت کی چوکی، کریلی، الٰہ آباد، یوپی

نگارشات

نمبر شمار	عناوین	مضمون نگار	صفحہ نمبر
۱	اپنی بات	ادارہ	۳
۲	خدا سے کرے جو غافل اسے دنیا سمجھتے ہیں	اکبرالہ آبادی	۴
۳	درس قرآن	مولانا عمادالدین مظاہری	۵
۴	تواضع، اتحاد واتفاق کی بنیاد ہے۔ چھوٹے اور بڑے آپس کے اقدار کو سمجھیں	حضرت مولانا سید محمد غیاث الدین صاحب دامت برکاتہم	۱۳
۵	مصائب وحوادث کا علاج	حضرت مولانا ظفراحمد عثمانی صاحبؒ	۱۸
	حضرت ام المومنین حضرت حفصہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا	ڈاکٹر محمد ضیاء الدین مظاہری	۲۹
۶	اسلام کے غدار، دوست کی شکل میں دشمن جو آستین کا سانپ تھے	مولانا محمد اسماعیل ریحان	۴۳
۷	استفادہ سے محروم لوگ	پروفیسر محمد عبدالرحمٰن العریفی	۵۰
۸	تصوف کا جوہر	مجلس حضرت مسیح الامت شاہ محمد مسیح اللہ خانصاحب شروانی	۵۴
۹	فقہی مسائل۔ وضو کے مسائل وضو کو توڑنے والی چیزیں	ادارہ	۶۳

اس دائرہ میں سرخ نشان اس بات کی علامت ہے کہ آپ کا زرتعاون کا وقت ختم ہوگیا ہے، لہٰذا رسالہ جاری رکھنے کیلئے تعاون کی رقم ارسال کردیں

خط وکتابت کا پتہ:

فلاح العباد ٹرسٹ، 91/2I آزادنگر، کرامت کی چوکی، کریلی، الہ آباد، یوپی۔ انڈیا

فی شمارہ تعاون: 60/= روپے

سالانہ تعاون : 250/= روپے

محصول ڈاک اسکے علاوہ 100/=

مضمون نگار کی رائے سے ادارہ کا متفق ہونا ضروری نہیں ہے

zia3300@gmail.com

اداریہ

اپنی بات

اِس وقت دنیا کے جو حالات ہیں وہ کسی سے مخفی نہیں ہیں، خاص طور سے عالمِ اسلام کی عوام میں جو بے چینی اور اضطراب ہے اسے سب دیکھ رہے ہیں اور جسمانی وروحانی طور پر محسوس کر رہے ہیں۔ رہے خواص تو وہ خوابِ خرگوش میں سکون کی نیند لے رہے ہیں، ان کو اگر کوئی پریشانی اور فکر لاحق ہے تو وہ یہ کہ کہیں یہ حالات ان کے ''عیش وعشرت'' میں خلل انداز نہ ہوجائیں۔ مبصرین کے تبصرے، تجزیہ نگاروں کی نگارشات، اور شمار و اعداد یہ بتلاتے ہیں کہ اس وقت تقریباً پوری دنیا کے بہت بڑے حصے پر بظاہر مسلمانوں کی حکومت اور اقتدار ہے اور اللہ تعالیٰ کی عطا کی ہوئی معیشت کے خزانے ان کے پاس موجود ہیں، اکثر ممالکِ عالم ان ہی کے دئے ہوئے تیل سے جگمگاتے ہیں اور وہی ان کی اقتصادی ذریعہ ہے، اسی سے دشمنانِ اسلام چھوٹے چھوٹے بچوں، عورتوں، ضعیفوں، کمزوروں، اسپتال میں زیرِ علاج مریضوں، اسکولوں اور کالجوں میں پڑھنے والے طلباء، بے سہارا اور بے ساز وسامان نہتے نوجوانوں کو صرف اور صرف اس لئے دھماکہ خیز مادوں سے چیتھڑے کی طرح اڑا دے رہے ہیں کہ وہ ایک اللہ اور ایک رسول اور ایک کتاب قرآن مجید کے ماننے والے ہیں اور سارے عالَم میں امن وامان کے محافظ ہیں اور انہیں کے پڑوس میں اسی اللہ اور اسی رسول اور اسی کتاب کے ماننے والے ایسے ایسے طاقتور موجود ہیں کہ اگر وہ چاہیں تو دشمن کا ناطقہ بند کر سکتے ہیں لیکن کیا کہا جائے اس بدنصیبی اور محرومی کو کہ ع

گھر کو آگ لگ گئی گھر کے چراغ سے

قرآن مجید کی تعبیر کے مطابق وہ نہتے کمزور مرد، لاچار عورتیں، معصوم بچے چیخ چیخ کر یہ آواز لگا رہے ہیں کہ: وَ مَا لَکُمْ لَا تُقَاتِلُوْنَ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ وَ الْمُسْتَضْعَفِیْنَ مِنَ الرِّجَالِ وَ النِّسَاءِ وَالْوِلْدَانِ الَّذِیْنَ یَقُوْلُوْنَ رَبَّنَآ اَخْرِجْنَا مِنْ ھٰذِہِ الْقَرْیَۃِ الظَّالِمِ اَھْلُھَا ج وَاجْعَلْ لَّنَا مِنْ لَّدُنْکَ وَلِیًّا وَّ اجْعَلْ لَّنَا مِنْ لَّدُنْکَ نَصِیْرًا '' (سورۂ نساء: ۷۵) تمہیں کیا ہوگیا ہے (اے دنیا کے مسلمانو، اے اللہ کے نام لینے والے بادشاہو، اے حکمرانوں، اے اقتدار والو) کہ تم اللہ کے راستے میں اپنے بھائی مسلمانوں کی مدد کے لئے لڑنے کے واسطے نہیں نکل رہے ہو، تم ذرا مڑ کر دیکھو تو سہی کہ تمہارے ایمان والے مسلمان بھائی، تمہاری با غیرت عورتیں، تمہارے ننھے ننھے کلیوں جیسے بچے ظلم کی چکّی میں پیسے جا رہے ہیں، ان کا کوئی پرسان حال نہیں، اور وہ نہایت بے بسی کی حالت میں اپنے اللہ رب العالمین کی بارگاہ میں دعائیں مانگے جا رہے ہیں کہ: اے اللہ، ہمیں اس بستی کے ظالموں سے نجات عطا فرما دیجئے اور ہمیں اپنے پاس سے کوئی مددگار عطا فرما دیجئے۔

اے بادشاہو، اے حکمرانو، اے قتدار والو تم یقین کر لو کہ اللہ تعالیٰ کو ان کی مدد کے لئے تمہاری بالکل ضرورت نہیں ہے، تمہیں اگر اپنی بقا چاہئے تو تم اپنی فکر کرو، اللہ تعالیٰ نے تو ان کی مدد کی ہے، آج کر رہا ہے اور کرتا رہے گا انشاء اللہ، البتہ تم نے اگر اپنی حالت نہیں بدلی تو اپنے بارے میں اللہ کا فرمان سن لو: ''اِنْ تَتَوَلَّوْا یَسْتَبْدِلْ قَوْمًا غَیْرَکُمْ ثُمَّ لَا یَکُوْنُوْا اَمْثَالَکُمْ '' اگر تم اپنے حالات، اپنی سوچ، اپنی فکر اور اپنا لائحہ عمل نہیں بدلو گے تو ہم تمہیں بدل دیں گے اور تمہاری جگہ دوسری قوم کو لائیں گے اور وہ تم جیسے ناکارہ اور نکمے اور نافرمان نہیں ہوں گے۔ ۞

خدا سے جو کرے غافل اسے دنیا سمجھتے ہیں

اکبرالہ آبادی

اجل سے وہ ڈریں جینے کو جو اچھا سمجھتے ہیں
یہاں ہم چار دن کی زندگی کو کیا سمجھتے ہیں

ہمیں ہے خاکساری میں بھی ڈر محسود ہونے کا
اسے بھی ہم غبار خاطر اعدا سمجھتے ہیں

کوئی کیا سمجھے الطافِ خفی انکار جاناں کے
یہ رمزِ لن ترانی حضرت موسیٰ سمجھتے ہیں

تمہاری ناخوشی کا ڈر ہمیں مجبور رکھتا ہے
نہیں تو اے صنم اغیار کو ہم کیا سمجھتے ہیں

یقیں کفار کو آتا نہیں روزِ قیامت کا
اسے بھی وہ تمہارا وعدۂ فردا سمجھتے ہیں

جنوں زائل ہوا، ہوش آ گیا، صحت ہوئی ہم کو
بڑے عیار ہو تم، اب تو ہم اتنا سمجھتے ہیں

کس و ناکس سے کیوں سرگوشیاں کرتے ہو محفل میں
خبر بھی ہے کہ لوگ اپنے دلوں میں کیا سمجھتے ہیں

رہے سرسبز گلشن ان کی بزمِ عیش و عشرت کا
نکل جاؤں گا میں مجھ کو اگر کانٹا سمجھتے ہیں

نگاہوں کے اشاروں سے جو حکم اٹھنے کا ہوتا ہے
مجھے بھی آپ کا دردِ دلِ شیدا سمجھتے ہیں

میں اپنے نقدِ دل سے جنسِ الفت مول لیتا ہوں
اطباء کو ذرا دیکھو اسے سودا سمجھتے ہیں

اسے ہم آخرت کہتے ہیں جو مشغولِ حق رکھتے ہیں
خدا سے جو کرے غافل اسے دنیا سمجھتے ہیں

نثار اپنے تصور کے کہ جس کے فیض سے ہر دم
جو نا پیدا ہے نظروں سے اسے پیدا سمجھتے ہیں

وہ ہم کو کچھ نہ سمجھے اے رقیبو، اختیار ان کا
یہ تم کیوں خوش ہوا تنے وہ تمہیں کو کیا سمجھتے ہیں

یہی رخ ہے کہ جس پر پھول کا اطلاق ہوتا ہے
یہی آنکھیں ہیں جن کو نرگسِ شہلا سمجھتے ہیں

تو وہ برقِ تجلی ہے کہ تیرے دیکھنے والے
ترے نقشِ کفِ پا کو یدِ بیضا سمجھتے ہیں

غزل اک اور پڑھئے آج ایسے رنگ میں اکبر
کہ اربابِ بصیرت جس کو عبرت زا سمجھتے ہیں

درسِ قرآن

مستفاداز تفسیر تبیان القرآن

مولانا عمادالدین مظاہری ایم اے

سورۂ دخان

اَعُوذُ باللّٰه مِنَ الشَّيُطٰنِ الرَّجِيُم
بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيُم

حٰمٓ o وَالۡكِتٰبِ الۡمُبِيۡنِ o اِنَّآ اَنۡزَلۡنٰهُ فِیۡ لَيۡلَةٍ مُّبٰرَكَةٍ اِنَّا كُنَّا مُنۡذِرِيۡن o فِيۡهَا يُفۡرَقُ كُلُّ اَمۡرٍ حَكِيۡم o اَمۡراً مِنۡ عِنۡدِنَا ط اِنَّا كُنَّا مُرۡسِلِيۡن o رَحۡمَةً مِّن رَبِّک ط اِنَّه هُوَ السَّمِيۡعُ الۡعَلِيۡم o رَبِّ السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضِ وَ مَا بَيۡنَهُمَا م اِنۡ كُنۡتُم مُوۡقِنِيۡن o لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ يُحۡيِ وَ يُمِيۡت ط رَبُّكُم وَ رَبُّ اٰبآئِكُمُ الۡاَوَّلِيۡن o بَلۡ هُم فِیۡ شَكٍّ يَّلۡعَبُوۡن o فَارۡتَقِبۡ يَوۡمَ تَاۡتِی السَّمآءُ بِدُخَانٍ مُّبِيۡن o يَغۡشَى النَّاس ط هٰذَا عَذَابٌ اَلِيۡمٌ o رَبَّنَا اكۡشِفۡ عَنَّا الۡعَذَاب اِنَّا مُؤۡمِنُوۡن o اَنّٰى لَهُم الذِّكۡرٰى وَ قَدۡ جَآءَهُم رَسُوۡلٌ مُبِيۡن o ثُمَّ تَوَلَّوۡا عَنۡه وَ قَالُوۡا مُعَلَّمٌ مَّجۡنُوۡنٌ o اِنَّا كَاشِفُوا الۡعَذَابِ قَلِيۡلاً اِنَّكُمۡ عَآئِدُوۡن o يَوۡمَ نَبۡطِشُ الۡبَطۡشَةَ الۡكُبۡرٰى ج اِنَّا مُنۡتَقِمُوۡن o وَ لَقَدۡ فَتَنَّا قَبۡلَهُم قَوۡمَ فِرۡعَونَ وَ جَآءَهُم رَسُوۡلٌ كَرِيۡمٌ o اَنۡ اَدُّوۡٓا اِلَیَّ عِبَادَ اللّٰه ط اِنِّی لَكُمۡ رَسُوۡلٌ اَمِيۡنٌ o وَ اَنۡ لَّا تَعۡلُوۡا عَلَى اللّٰه ط اِنِّیٓ اٰتِيۡكُم بِسُلۡطٰنٍ مُّبِيۡن o وَ اِنِّیۡ عُذۡتُ بِرَبِّیۡ وَ رَبِّكُم اَنۡ تَرۡجُمُوۡنِ o وَ اِنۡ لَّمۡ تُؤۡمِنُوۡا لِی فَاعۡتَزِلُوۡن o فَدَعَا رَبَّه اَنَّ هٰٓؤُلَآءِ قَوۡمٌ مُّجۡرِمُوۡنَ o فَاَسۡرِ بِعِبَادِیۡ لَيۡلاً اِنَّكُم مُّتَّبَعُوۡن o وَاتۡرُكِ الۡبَحۡرَ رَهۡواً ط اِنَّهُمۡ جُنۡدٌ مُّغۡرَقُوۡن o كَمۡ تَرَكُوۡا مِنۡ جَنّٰت وَّ عُيُوۡن o وَزُرُوۡع وَّ مَقَام كَرِيۡم o وَ نَعۡمَةٍ كَانُوۡا فِيۡهَا فٰكِهِيۡن o كَذٰلِكَ قف وَ اَوۡرَثۡنٰهَا قَوۡماً اٰخَرِيۡن o فَمَا بَكَتۡ عَلَيۡهِمُ السَّمَاءُ وَ الۡاَرۡضُ وَ مَا كَانُوۡا مُنۡظَرِيۡنَ o (سورہ دخان: ازآیت: ۱تا۲۹)

سورۃالدخان

''دخان'' کے معنی دھواں کے ہیں، اس سورت کی آیت نمبر ۱۰ میں یہ لفظ آیا ہے اسی مناسبت سے اس کا نام ''سورۂ دخان'' ہے۔ یہ سورت حوامیم کی سات سورتوں میں سے پانچویں سورت ہے۔

جمعہ کی رات سورۂ دخان پڑھنے کی فضیلت

حضرت ابوامامہ رضی اللہ عنہ سے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث روایت ہے کہ جس شخص نے جمعہ کی رات یا دن میں سورۂ دخان پڑھ لی اللہ تعالیٰ اس کے لئے جنت میں گھر بنائیں گے۔ (روح المعانی بروایت ابن مردویہ وقرطبی)

اور حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جو شخص جمعہ کی رات میں سورۂ دخان پڑھ لے تو وہ اس حال میں صبح کرے گا کہ اس کے گناہ معاف ہو چکے ہوں گے۔ (روح المعانی بروایت ترمذی وابن مردویہ وبیہقی وغیرہ)

حٰــمٓ O (آیت:۱) یہ ان حروف مقطعات میں سے ہے جس کے ٹھیک ٹھیک معنی اللہ تعالیٰ ہی کو معلوم ہیں۔

وَالْـكِتٰـبِ الْـمُبِيْـنِ O قسم ہے اس واضح کتاب کی۔ (آیت:۲) مراد قرآن مجید ہے۔ مطلب یہ ہے کہ اس کتاب کے معنی اور مطلب اتنا واضح ہیں جو خود اس بات کے ثبوت کے لئے کافی ہیں کہ یہ کتاب اللہ کی نازل کی ہوئی ہے، کسی انسان کی لکھی ہوئی نہیں ہے۔

شبِ قدر

"اِنَّآ اَنْزَلْنٰهُ فِىْ لَيْلَةٍ مُّبٰرَكَةٍ" ہم نے اس کو برکت والی رات میں اتارا ہے۔ (آیت:۳) اس سے مراد شب قدر ہے جو رمضان شریف کے آخری عشرہ کی کوئی طاق رات ہوتی ہے۔ سورۂ قدر میں ہے "اِنَّــا اَنْزَلْنَاهُ فِىْ لَيْلَةِ الْقَدْر" اور سورۂ بقرہ آیت:۱۸۵ میں ہے "شَهْرُ رَمَضَانَ الَّذِىْٓ اُنْزِلَ فِيْهِ الْقُرْآن" اور شب قدر میں نازل ہونے کا مطلب یہ ہے کہ اسی رات میں قرآن مجید لوح محفوظ سے آسمانِ دنیا میں نازل کیا گیا پھر وہاں سے تھوڑا تھوڑا کر کے تیئیس سال کے عرصہ میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل ہوتا رہا۔ اور اس رات میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر ان کے نازل ہونے کا سلسلہ شروع ہوا۔

اِنَّا كُنَّا مُنْذِرِيْن O ہم خبردار کرنے والے تھے۔ (آیت:۳) یعنی قرآن کریم نازل کرنے کا مقصد یہ ہے کہ ہم اپنے بندوں کو خیر وشر اور بھلے برے سے آگاہ اور خبردار کریں تاکہ وہ اپنے نقصان کی چیزوں اور برے عقائد واعمال سے بچیں۔

سال بھر کے معاملات اسی رات میں طے ہوتے ہیں

فِيهَا يُفْرَقُ كُلُّ اَمْرٍ حَكِيْمٍ ○ اَمْراً مِنْ عِنْدِنَا ط اس رات میں ہر حکمت والا معاملہ ہمارے حکم سے طے کیا جاتا ہے۔ (آیت:۴،۵) یعنی سال بھر میں جتنے بھی معاملات اور واقعات ہونے والے ہوتے ہیں جو سب کے سب حکمت ہی پر مبنی ہوتے ہیں، مثلاً یہ کہ کون کون لوگ اس سال میں پیدا ہوں گے؟ اور کس کو اس سال کتنا رزق دیا جائے گا؟ اور کون کون لوگ اس سال مریں گے؟ یہ تمام فیصلے عمل درآمد کرنے کے لئے ان فرشتوں کے حوالے کردئے جاتے ہیں جن کے متعلق یہ سب کام انجام دینا ہے۔

شب قدر اور شب براءت

بعض مفسرین حضرت عکرمہؒ وغیرہ نے اس ''برکت والی رات'' سے شب براءت یعنی پندرہویں شعبان کی رات مراد لیا ہے، کیونکہ بعض حدیثوں میں شب براءت کے متعلق یہ آیا ہوا ہے کہ اس رات میں معاملات، مرنے جینے اور رزق وغیرہ کے فیصلے کئے جاتے ہیں، لیکن جمہور مفسرین کا اس پر اتفاق ہے کہ اس رات سے رمضان کی شب قدر ہی مراد ہے اس لئے کہ قرآن مجید میں خود صاف صاف آیا ہے کہ قرآن مجید رمضان میں شب قدر میں نازل ہوا ہے اس لئے شب براءت مراد لینا ہرگز صحیح نہیں ہے، اور زندگی و موت اور رزق وغیرہ کے سارے فیصلے رمضان کی شب قدر ہی میں ہوا کرتے ہیں۔ اور جہاں تک شب براءت یعنی شعبان کی پندرہویں رات کی فضیلت کا سوال ہے تو اس سلسلہ کی سب روایتیں ضعیف ہیں اور اسی لئے قاضی ابوبکر بن عربی نے اس کی فضیلت کا انکار کیا ہے لیکن چونکہ یہ روایات باوجود ضعیف ہونے کے متعدد طرق اور کئی کئی سندوں سے روایت کی گئی ہیں اس لئے ان میں ایک طرح کی قوت پیدا ہوگئی ہے اور اسی وجہ سے بہت سے مشائخ نے ان کو قبول کیا ہے کیونکہ فضائل اعمال میں اس طرح کی ضعیف روایات پر عمل جائز ہے۔ واللہ اعلم۔

اِنَّا كُنَّا مُرْسِلِيْنَ ○ ہم رسول بھیجنے والے تھے آپ کے پروردگار کی رحمت سے۔ (آیت:۵) یعنی ہماری رحمت کا تقاضا تھا کہ ہم قرآن دے کر آپ کو رسول بنا کر بھیجیں تا کہ اپنے بندوں کو حق و باطل کے فرق سے آگاہ کردیں۔

اللہ تعالیٰ ہی انسانوں کی ضروریات کو جاننے والے ہیں

رَحْمَةً مِّنْ رَبِّكَ ط اِنَّهُ هُوَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ○ بے شک وہ بڑا سننے والا بڑا جاننے والا

ہے۔(آیت:۶) اس لئے وہی اپنے بندوں کی تمام ضرورتوں کی رعایت کر کے احکام وہدایت نازل کرتا ہے اور وہی یہ بتا سکتا ہے کہ انسان کے لئے کیا چیز مفید ہے اور کیا چیز نقصان پہنچانے والی ہے۔

رَبِّ السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضِ وَ مَا بَيۡنَهُمَا ۘ اِنۡ كُنۡتُمۡ مُّوۡقِنِيۡنَ٥ جو آسمانوں اور زمین اوران دونوں کے درمیان کی چیزوں کا مالک ہے اگر تم یقین کرو۔(آیت:۷) یعنی اگر تم یقین لانا چاہو تو اس کی توحید کے یہ دلائل جو کائنات کے ذرہ ذرہ میں موجود ہیں یقین لانے کے لئے کافی ہیں۔

لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ يُحۡىٖ وَيُمِيۡتُ ؕ رَبُّكُمۡ وَرَبُّ اٰبَآئِكُمُ الۡاَوَّلِيۡنَ ٥ اس کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں وہی زندگی دیتا ہے اور وہی موت دیتا ہے وہ تمہارا بھی پروردگار ہے اور تمہارے پہلے باپ دادوں کا بھی۔(آیت:۸) یعنی جس کے قبضۂ قدرت میں زندگی اور موت ہے اور جو تمہارے باپ دادوں کا مالک و پروردگار ہے کیا اس کے سوا بھی کوئی عبادت کا مستحق ہوسکتا ہے؟

بَلۡ هُمۡ فِىۡ شَكٍّ يَّلۡعَبُوۡنَ ٥ بلکہ وہ شک میں پڑے ہوئے کھیل رہے ہیں۔(آیت:۹) یعنی توحید کی اتنی کھلی ہوئی دلیلوں کا تقاضا تو یہ تھا کہ وہ لوگ اس کو بلا تامل مان لیتے مگر یہ لوگ پھر بھی نہیں مانتے بلکہ توحید جیسی صاف اور کھلی ہوئی حقیقت کے بارے میں شک میں لوگ پڑے ہوئے ہیں اور دنیا کے کھیل کود میں غافل اور مگن ہیں، ذرا بھی آخرت کی فکر نہیں کہ غور وفکر سے کام لے کر حق کو طلب کریں، اسی لئے نصیحت کی باتوں کو ہنسی مذاق میں اڑا دیتے ہیں۔

دھواں سے کیا مراد ہے؟

فَارۡتَقِبۡ يَوۡمَ تَاۡتِى السَّمَآءُ بِدُخَانٍ مُّبِيۡنٍ ٥ يَّغۡشَى النَّاسَ ؕ هٰذَا عَذَابٌ اَلِيۡمٌ٥ لہٰذا آپ اس دن کا انتظار کیجئے جبکہ آسمان دکھائی دینے والا دھواں لائے گا جو لوگوں پر چھا جائے گا یہ ایک دردناک عذاب ہے۔(آیت:۱۰،۱۱) اس آیت میں دھواں سے کیا مراد ہے؟ اس میں صحابہؓ اور تابعینؒ کے زمانے سے اختلاف ہے۔

حضرت علیؓ، حضرت ابن عباسؓ، حضرت ابن عمرؓ اور حضرت حسن بصریؒ فرماتے ہیں کہ یہ دھواں علامات قیامت میں سے ہے۔

ایک پیشین گوئی

رَبَّنَا اكۡشِفۡ عَنَّا الۡعَذَابَ اِنَّا مُؤۡمِنُوۡنَ ٥ اے ہمارے پروردگار ہم سے یہ عذاب دور کر

دیجئے ہم ضرور ایمان لے آئیں گے، (آیت:۱۲) قرآن مجید نے یہ پیشینگوئی فرمائی ہے کہ جب ان پر ایسے سخت قحط کا عذب آپڑے گا تو اس وقت یہ لوگ دعا کریں گے کہ اگر یہ قحط ہم سے ہٹ جائے تو ہم ایمان لے آئیں گے۔ چنانچہ یہ پیشینگوئی حرف بحرف اس طرح پوری ہوئی کہ ابوسفیان سردار قریش نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوکر درخواست کی کہ آپ تو رشتہ داروں کے ساتھ حسن سلوک کی تعلیم دیتے ہیں، آپ کی قوم بھوکوں مر رہی ہے، ہم آپ سے رشتہ داری کا واسطہ دے کر کہتے ہیں کہ اس مصیبت کے دور ہونے کی دعا کیجئے، اگر یہ مصیبت دور ہوگئی تو ہم ایمان لے آئیں گے۔ چنانچہ آپ نے دعا فرمائی اور بارش ہوئی جس سے قحط دور ہوگیا، اور یمامہ کے سردار ثمامہ بن اثال رضی اللہ عنہ نے غلہ آٹا روک دیا تھا، وہ بھی ان سے کہہ کر آپ نے کھلوا دیا مگر پھر بھی وہ لوگ اپنے وعدہ سے مکر گئے اور ایمان نہیں لائے اور نصیحت نہ حاصل کی۔

ان کے پاس حقیقت کھول دینے والا نبی آیا پھر بھی یہ.....

اَنّٰی لَھُم الذِّکْرٰی وَ قَدْ جَآءَ ھُم رَسُوْلٌ مُّبِیْن o ثُمَّ تَوَلَّوْا عَنْہ وَ قَالُوْا مُعَلَّمٌ مَّجْنُوْنٌ o ان کو کہاں نصیحت ہوتی ہے حالانکہ ان کے پاس ایسا رسول آیا ہے جو حقیقت کو کھول دینے والا ہے، پھر بھی یہ لوگ اس سے منہ موڑے رہے اور کہتے رہے کہ یہ سکھایا ہوا ہے دیوانہ ہے۔ (آیت:۱۳،۱۴) یعنی جب ایسے رسول کے آنے پر بھی یہ لوگ ایمان نہیں لائے جن کا رسول ہونا ان کی سیرت وکردار اور معجزوں سے بالکل ظاہر ہے اور جنھوں نے حقیقت کو کھول کھول کر بیان کر دیا ہے جس سے ان کے رسول ہونے میں کسی انصاف پسند کے لئے کسی شک وشبہ کی گنجائش ہی نہیں ہے، تو پھر قحط کے ہونے اور اس کے دور ہو جانے سے ان کے نصیحت لینے کی کیا امید ہے؟ بلکہ ماننے کے بجائے یہ سب الزام تراشیاں کرنے لگے کہ ان کو کسی نے سکھا پڑھا دیا ہے، کوئی ہے جو ان کو یہ آیتیں بنا بنا کر دیتا ہے اور ان ہی آیتوں کو یہ لوگوں کے سامنے اللہ کا کلام بتا کر پڑھتے ہیں اور ان کو جنون ہوگیا ہے وغیرہ وغیرہ (معاذ اللہ)۔

اِنَّا کَاشِفُوا الْعَذَابِ قَلِیْلاً اِنَّکُمْ عَآئِدُوْن o ہم عذاب کو کچھ دنوں کے لئے ہٹا دیں گے (مگر) تم پھر اسی حالت میں لوٹ آؤ گے۔ (آیت:۱۵) یعنی اس وقت تو یہ عذاب ہم تھوڑی مدت کے لئے ہٹائے لیتے ہیں مگر تم قحط کا یہ عذاب دور ہوتے ہی بجائے ایمان لانے کے پھر دوبارہ اسی شرک وکفر کی طرف

لوٹ جاؤ گے اور پھر تمہارے دن رات ان ہی بدعقیدگیوں اور بدکرداریوں میں گذرنے لگیں گے۔

اللہ تعالیٰ کی پکڑ بڑی سخت ہے

یَوْمَ نَبْطِشُ الْبَطْشَةَ الْكُبْرٰى ج اِنَّا مُنْتَقِمُوْنَ o جس دن ہم بڑی سخت پکڑ پکڑیں گے ہم پورا بدلہ لے لیں گے۔ (آیت:۱۶) یعنی اس وقت یہ عذاب ہٹا دیا جائے گا مگر اس عذاب کے ٹلنے کی یہ مدت بہت سے بہت صرف دنیا کی زندگی ہی تک ہے لیکن جب قیامت کے دن ان کی پکڑ ہوگی تو وہ بہت سخت ہوگی جو کبھی ختم نہ ہوگی۔

''وَ لَقَدْ فَتَنَّا قَبْلَهُمْ قَوْمَ فِرْعَوْنَ'' اور ان سے پہلے ہم نے فرعون کی قوم کو آزمایا تھا۔ (آیت:۱۷) یعنی ہم نے فرعون کی قوم کے پاس موسیٰ علیہ السلام کو بھیج کر ان کو آزمایا کہ ان لوگوں میں سے کون اللہ کے پیغام کو قبول کرتا ہے اور موسیٰ علیہ السلام پر ایمان لاتا ہے اور کون ایمان نہیں لاتا؟

موسیٰ علیہ السلام اور ان کی قوم

وَ جَآءَهُمْ رَسُوْلٌ كَرِيْمٌ o اَنْ اَدُّوْٓا اِلَيَّ عِبَادَ اللّٰهِ ط اور ان کے پاس ایک معزز رسول آئے تھے کہ اللہ کے بندوں کو میرے حوالہ کردو۔ (آیت:۱۷،۱۸) یہاں ''اللہ کے بندوں'' سے مراد بنی اسرائیل ہیں جو موسیٰ علیہ السلام کی قوم تھی، فرعون نے اس قوم کو غلام بنا رکھا تھا۔ موسیٰ علیہ السلام نے فرعون سے مطالبہ کیا کہ ان کو آزاد کردو، میں جہاں اور جس طرح مناسب ہو ان کو آزاد کر کے رکھوں گا۔

اِنِّيْ لَكُمْ رَسُوْلٌ اَمِيْنٌ o میں تمہاری طرف ایک امانتدار رسول ہو کر آیا ہوں۔ (آیت:۱۸) یعنی میں اللہ کا بھیجا ہوا پیغمبر ہوں اور بھروسہ کے قبل امانتدار ہوں، یہ اللہ کا پیغام تمہیں پہنچا رہا ہوں اس پیغام پہنچانے میں اپنی طرف سے کوئی کمی یا زیادتی نہیں کرتا ہوں اس لئے تم کو میری بات مان لینی چاہئے۔

وَ اَنْ لَّا تَعْلُوْا عَلَى اللّٰهِ ط اور یہ کہ تم اللہ سے سرکشی مت کرو۔ (آیت:۱۹) یعنی میرے مقابلے میں تمہاری سرکشی دراصل اللہ کے مقابلہ میں سرکشی ہے۔

اِنِّيْٓ اٰتِيْكُمْ بِسُلْطٰنٍ مُّبِيْنٍ o میں تمہارے سامنے ایک کھلی ہوئی دلیل پیش کرتا ہوں۔ (آیت:۱۹) یعنی اگر تمہیں میرے اللہ کے رسول ہونے میں شک ہے تو میں تمہارے سامنے اپنی رسالت کی کھلی ہوئی دلیل پیش کر رہا ہوں۔ کھلی ہوئی دلیل سے مراد وہ معجزے ہیں جو موسیٰ علیہ السلام نے ان کو دکھائے جیسے

عصا اور یدِ بیضاء وغیرہ۔

وَ اِنِّیْ عُذْتُ بِرَبِّیْ وَ رَبِّکُم اَنْ تَرْجُمُوْنِ o اور میں اس سے اپنے پروردگار اور تمہارے پروردگار کی پناہ لیتا ہوں کہ تم لوگ مجھ کو سنگسار کرو۔ (آیت:۲۰) موسیٰ علیہ السلام کی دعوت وتبلیغ کے جواب میں فرعون نے ان کو قتل کی دھمکی دی۔ یہ اس کا جواب ہے کہ میں تمہارے تمام حملوں اور سازشوں کے مقابلہ میں اللہ کی پناہ حاصل کر چکا ہوں، میں اس کی حفاظت اور نصرت میں ہوں، اس لئے تم میرا کچھ نہیں بگاڑ سکتے۔

وَ اِنْ لَّمْ تُؤْمِنُوْا لِی فَاعْتَزِلُوْن o اور اگر تم مجھ پر ایمان نہیں لاتے تو تم مجھ سے الگ ہی رہو۔ (آیت:۲۱) یعنی اگر تم میری بات نہیں مانتے تو کم از کم مجھے تکلیف پہنچانے اور میرے راستے میں رکاوٹیں ڈالنے سے تو باز رہو، ورنہ مجھے تو کوئی نقصان نہ پہنچے گا البتہ تمہیں اس کا بہت برا انجام بھگتنا پڑے گا۔

فَدَعَا رَبَّہ اَنَّ ھٰٓؤلَآءِ قَوْمٌ مُّجْرِمُوْنَ o پھر موسیٰ نے اپنے پروردگار سے دعا کی کہ یہ بڑے مجرم لوگ ہیں۔ (آیت:۲۲) یعنی جب موسیٰ علیہ السلام نے دیکھا کہ یہ لوگ کسی طرح اپنی شرارتوں اور سرکشی سے باز نہیں آتے تب اللہ سے فریاد کی کہ یہ لوگ ایسے پکے مجرم ہیں کہ کسی صورت اپنے جرائم سے باز نہیں آتے، اب ان کا فیصلہ فرما دیجئے۔

فَاَسْرِ بِعِبَادِیْ لَیْلاً اِنَّکُم مُّتَّبَعُوْن o (اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ) اب تم میرے بندوں کو لے کر راتوں رات چلے جاؤ تمہارا پیچھا ضرور کیا جائے گا۔ (آیت:۲۳) یعنی اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا کہ ہم نے دعا قبول کی اور اب تم سارے بنی اسرائیل کو لے کر راتوں رات یہاں سے نکل جاؤ۔ اور دیکھو یہ لوگ معلوم ہو نے کے بعد تمہارا پیچھا کریں گے، تم گھبرانا نہیں۔

جب فرعون لشکر سمیت سمندر میں داخل ہوا...

وَاتْرُکِ الْبَحْرَ رَھْواً ط اِنَّھُمْ جُنْدٌ مُّغْرَقُوْن o اور تم سمندر کو ٹھہرا ہوا چھوڑ دینا یقیناً یہ سارا لشکر ڈبو یا جائے گا۔ (آیت:۲۴) یعنی راستہ میں سمندر پڑے گا اور اس پر آپ کے عصا مارنے سے معجزانہ طور پر اللہ تعالیٰ سمندر کو ٹھہرا کر راستہ بنا دیں گے، پھر جب تم دریا پار کر جاؤ گے تو تم اس کی فکر نہ کرنا کہ سمندر اپنی اصلی حالت پر آجائے اور یہ راستہ ختم ہو جائے تا کہ فرعون اس راستہ میں داخل ہو کر پیچھا نہ کر سکے بلکہ اس کو ویسا ہی ٹھہرا ہوا خشک چھوڑ دینا تا کہ فرعون بھی اپنے لشکر کے ساتھ اس میں گھس پڑے اور ہم سمندر کو دوبارہ

جاری کر کے ان سب کو غرق کر دیں ۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا کہ جب فرعون اپنے لشکر سمیت سمندر میں داخل ہو گیا تو ہر طرف سے پانی ہی پانی ہو گیا اور سب کے سب ڈوب گئے ۔

كَمْ تَرَكُوْا مِنْ جَنّٰتٍ وَّ عُيُوْنٍ o وَزُرُوْعٍ وَّ مَقَامٍ كَرِيْمٍ o وَ نَعْمَةٍ كَانُوْا فِيْهَا فٰكِهِيْنَ o كَذٰلِكَ قف وَ اَوْرَثْنٰهَا قَوْمًا اٰخَرِيْنَ o کتنے ہی باغات اور چشمے اور کھیتیاں شاندار مکانات اور عیش و آرام کے سامان جن میں وہ مزے کر رہے تھے چھوڑ گئے ،اسی طرح ہوا، اور ہم نے ایک دوسری قوم کو ان کا مالک بنا دیا ۔ (آیت:۲۵تا۲۸) ''دوسری قوم'' سے بنی اسرائیل مراد ہیں جیسا کہ سورۂ شعراء آیت :۵۹ میں اس کی تصریح ہے کہ انہیں اللہ تعالیٰ نے قوم فرعون کے بعد ملک مصر کا وارث اور مالک بنا دیا ۔

مومن کے مرنے کے بعد آسمان کے دروازے روتے ہیں

''فَمَا بَكَتْ عَلَيْهِمُ السَّمَاءُ وَ الْاَرْضُ'' پھر نہ ان پر آسمان رویا اور نہ زمین ۔ (آیت:۲۹) یعنی انھوں نے زمین پر کوئی ایسا نیک کام نہیں کیا تھا کہ ان کے مر جانے کے غم میں زمین روئے اور نہ ان کا کوئی نیک عمل آسمان تک پہنچتا تھا کہ اب جس کے نہ پہنچنے پر آسمان روئے ۔ روایت سے ثابت ہے کہ مومن کے مرنے پر آسمان کے وہ دروازے روتے ہیں جن سے اس کی روزی اترتی تھی اور اس کا نیک عمل اوپر جاتا تھا اور وہ زمین روتی ہے جہاں وہ نماز پڑھتا تھا (ابن کثیر بحوالہ ابن جریر وابن ابی حاتم وغیرہ) اور بعض مفسرین نے اس کا مطلب یہ بتایا ہے کہ وہ ایسے بے حیثیت اور ذلیل تھے کہ ان کے مرنے کے بعد ان پر کوئی افسوس تک کرنے والا نہ تھا، وہ کتا بلی اور کوڑے کرکٹ کی طرح پھینک دئے گئے ۔

وَ مَا كَانُوْا مُنْظَرِيْنَ o اور نہ ان کو مہلت دی گئی ۔ (آیت:۲۹) کہ کچھ دنیا میں اور جی لیتے تو اتنے دن دوزخ کے عذاب سے بچے رہتے ۔ ❁

تنظیم اللآلی لشرح عقیدۃ الطحاوی
معروف بہ
اسلامی عقائد
مصنفہ: مفسر قرآن حضرت مولانا سید محمد غیاث الدین صاحب مظاہری دامت برکاتہم
ہر مسلمان کے لئے ضروری
قیمت:-/400 مکتبہ الاشرف میں رعایتی قیمت میں دستیاب ہے

موعظۂ حسنہ

’’تواضع‘‘ اتحادواتفاق کی بنیاد ہے
’’چھوٹے‘‘ اور’’ بڑے‘‘ آپس کے اقدار کو سمجھیں

حضرت مولانا سید محمد غیاث الدین صاحب مظاہری دامت برکاتہم

یہ مضمون حضرت والا کا ایک بیان ہے جو مسجد مسلم ہوسٹل یونیورسٹی الہ آباد میں یکم ستمبر ۲۰۲۳ء بروز جمعہ قبل خطبہ ہوا تھا۔ ادارہ افادۂ عام کیلئے وائس رکارڈنگ سے نقل کر کے نیز آیات واحادیث کی تخریج اور ذیلی عنوانات قائم کرنے کے بعد اپنے قارئین کے سامنے پیش کرنے کی سعادت حاصل کر رہا ہے۔ (ادارہ)

اچھے اور برے اخلاق

الحمد الله رب العالمين و الصلاة و السلام على سيد المرسلين وعلى آله واصحابه و من تبعهم الى يوم الدين ، قال رسول الله صلى الله عليه وسلم : ’’ من تواضع لله رفعه الله ‘‘ امابعد،

اللہ تعالیٰ نے انسان کے اندر بہت سی صفات ودیعت فرمائی ہیں جس کے نتیجہ میں اخلاق پیدا ہوتا ہے، یہ اخلاق اچھے بھی ہوتے ہیں اور برے بھی ہوتے ہیں، آپ بولتے ہیں کہ یہ آدمی اخلاق کا برا ہے اور فلاں آدمی اخلاق کا اچھا ہے۔ تو معلوم ہوا کہ جیسے اخلاق اچھا ہوتا ہے ویسا ہی برا بھی ہوتا ہے۔

تواضع اخلاق کی بنیاد ہے

پھر ان اچھے اخلاق میں کچھ ایسے ہوتے ہیں جو بہت بنیادی حیثیت رکھتے ہیں، جس کے اوپر انسانی

معاشرہ اور سماج کی بھلائی کا پورمدار ہوتا ہے، انہیں اچھے اخلاق میں سے ایک ''تواضع'' ہے۔

تواضع کسے کہتے ہیں؟

ایک چھوٹی سی حدیث ہے کہ ''من تواضع لله رفعه الله'' (مسلم، کتاب البر والصلة والآداب: ۲۵۸۸) جو شخص اللہ تعالیٰ کے لئے تواضع اختیار کرے گا اللہ تعالیٰ اس کو بلندی عطا فرمائیں گے۔ تواضع کسے کہتے ہیں؟ اپنی تہذیب سے اتنی دوری ہوگئی ہے کہ میں یہ سمجھتا ہوں کہ اس مجمع میں بھی جو پڑھے لکھے اور اعلیٰ تعلیم یافتہ طبقہ پر مشتمل ہے آدھے سے زیادہ لوگ تواضع نہ سمجھتے ہوں گے۔ یہ بھی ایک بحران ہے کہ آدمی اپنی زبان نہ سمجھے، حالانکہ تواضع ایسی عادت ہے، ایسی بنیادی صفت ہے اخلاق کے باب میں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں کہ جو تواضع اختیار کرے گا اللہ تعالیٰ اس کو بلندی عطا فرمائیں گے۔

تواضع کس کو کہتے ہیں؟ تواضع اصل میں اس کو کہتے ہیں کہ اپنے آپ کو دوسروں سے بڑا نہ سمجھے، اور دوسرے کو اپنے سے نیچا سمجھے۔

ہماری ہٹ دھرمی اور ضد

آپ غور کرلیں کہ گھر کے اندر سے لے کر گھر کے باہر تک اور گاؤں کی پنچایت سے لے کر چھوٹے سے چھوٹے اداروں، کمیٹیوں اور اسمبلی اور پارلیامنٹ ہاؤس تک سارا معاملہ اسی کا ہے کہ ہم نے جو بات کہہ دی وہی بات صحیح ہے، ہماری جو رائے ہے وہی رائے رائے ہے، ہمیں سب کچھ ہیں، ہمیں سب سے زیادہ عقلمند ہیں اور دوسرے کی عقل ہمارے عقل کے مقابلے میں کچھ بھی حیثیت نہیں رکھتی ہے۔

بیوی شوہر کو شوہر نہیں سمجھتی

نوبت یہاں تک آگئی ہے کہ شوہر و بیوی میں اختلاف اسلئے ہے کہ بیوی یہ سمجھتی ہے کہ ہماری عقل زیادہ ہے، ہماری سمجھ زیادہ ہے، ہمارے حقوق شوہر کے مقابلہ میں زیادہ ہیں، میں کہا کرتا ہوں کہ یہ بیوی ہے اور پھر بھی یہ ''بیوی'' بن کر گھر پر نہیں رہنا چاہتی، اور وہ شوہر ہے تو ''شوہر'' بیوی بن کر کے رہے؟ بتایئے آپ لوگ؟ یہی بات ہے؟ گھر تو اسی وقت چلے گا جب بیوی گھر میں ''بیوی'' بن کر رہے، یہی حقیقت ہے۔ شوہر بن کر رہے گی تو کیا ہوگا؟

بتایئے جھگڑا کہاں سے پیدا ہوا؟ اصل میں یہی تواضع ہے جو ہمارے اندر موجود نہیں ہے، اگر تواضع

ہوتی کہ ہم سب سے بڑے نہیں ہیں، ہماری رائے سب سے بڑی رائے نہیں ہے، ہماری عقل سب سے بڑی عقل نہیں ہے، تو یہ بات میاں بیوی میں پیدا نہ ہوتی، اسی چیز کو ہر جگہ آپ فٹ کر کے سمجھ لیجئے۔

تواضع اتحاد واتفاق کی جڑ اور بنیاد ہے

جب دارالعلوم دیو بند قائم ہوا تو اس کو چلانے کے لئے ایک مجلس شوریٰ بنی، ایک کمیٹی منتخب ہوئی، حضرت حاجی امداداللہ مہاجر مکی رحمۃ اللہ علیہ جو ہمارے سلسلہ کے سب سے بڑے پیر ہیں، اور دارالعلوم دیو بند کی شوریٰ میں جتنے اراکین تھے ان میں سے سب تو نہیں لیکن زیادہ تر حضرت کے مرید تھے اور جو مرید نہ تھے وہ معتقد تو تھے ہی، انگریزوں سے جنگ آزادی کے سلسلہ میں حضرت حاجی امداداللہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ اس زمانہ میں ہندوستان چھوڑ کر مکہ مکرمہ ہجرت کر گئے تھے، اسی لئے ان کو حاجی امداداللہ ''مہاجر مکی'' رحمۃ اللہ علیہ کہا جاتا ہے۔ حضرت حاجی صاحب نے وہاں سے خط تحریر کیا اور اس میں لکھا کہ ''تواضع اتحاد واتفاق کی جڑ اور بنیاد ہے، تواضع نہ رہے گا تو اختلاف پیدا ہوگا''۔

حضرت امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کا واقعہ

ہمارے بڑے بزرگوں میں جیسے امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ، امام مالک رحمۃ اللہ علیہ، امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ، امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ، ان کے درمیان بہت سے فقہی اختلافات تھے، جیسے یہی اختلاف ہے کہ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک آمین بالجہر نہیں ہے اور امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک آمین بالجہر ہے۔ اسی طرح کے بہت سارے اختلافات تھے، اور یہ اختلافات نفس کی شرارت کی بنیاد پر نہیں تھے، معاذ اللہ! بلکہ قرآن حدیث کے سمجھنے کی بنیاد پر یہ اختلافات ہیں۔ میں آپ کو یہ بتلانا چاہ رہا ہوں کہ انہیں اختلافات کی وجہ سے بہت جگہوں پر لاٹھیاں چل رہی ہیں اور بعض جگہ تو مقدمہ بازی بھی ہو رہی ہے لیکن ان حضرات میں ان اختلافات کے باوجود کیا حال تھا؟ ان کا حال یہ تھا کہ حضرت امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ جب بغداد تشریف لے گئے تو حضرت امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے مزار پر گئے اور وہاں کی مسجد میں گئے اور جب نماز کا وقت ہو گیا تو کتابوں میں لکھا ہوا ہے کہ انھوں نے نماز حنفی مسلک کے مطابق پڑھی۔ حضرت امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے شاگردوں نے پوچھا کہ حضرت کیا آپ کی رائے آج بدل گئی ہے؟ انھوں نے فرمایا کہ نہیں، بلکہ مجھے شرم آئی کہ میں اتنے بڑے شخص کے یہاں آیا ہوں اور یہاں پر میں اپنی رائے چلاؤں۔

سمجھ رہے ہیں آپ، جس کے ماننے والے ملک کے ملک ہیں اور حال یہ ہے کہ جب آپ ملک مصر تشریف لے گئے تو پورا مصر شافعی المسلک ہو گیا، جس کے ماننے والے لاکھوں اور کروڑوں ہیں، اس کے تواضع کا حال یہ تھا کہ فرماتے ہیں: میں یہاں آیا ہوں تو میں اپنی رائے پر عمل کروں، اس پر مجھے شرم آتی ہے۔

جو ہمارے چھوٹوں پر ترس نہ کھائے وہ ہم میں سے نہیں

آج ہمارا یہ حال یہ ہے کہ نہ چھوٹوں کا خیال ہے اور نہ بڑوں بزرگوں کا خیال ہے، چھوٹے بڑے کا مطلب یہ ہے کہ نہ اس کا خیال ہے کہ یہ ہمارا سینئر ہے، ہم سے بڑا ہے اور یہ جونیئر ہے، ہم سے چھوٹا ہے، جونیئر کو کیا کرنا چاہئے اور سینئر کو کیا کرنا چاہئے؟ یہ بھی حدیث میں بتلایا گیا ہے اور جو جونیئر سینئر کہہ رہا ہوں تو ہاسٹل کے طلبہ سمجھتے ہوں گے کہ ہم کو کہہ رہے ہیں حالانکہ میں صرف ان کو ہی نہیں کہہ رہا ہوں، اگر جونیئر سینئر نہ کہوں تو یہ نہ سمجھیں گے حدیث شریف میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے:

''لَيْسَ مِنَّا مَنْ لَمْ يَرْحَمْ صَغِيرَنَا وَ يُوَقِّرْ كَبِيرَنَا ''(ترمذی:۱۹۲۱) جو شخص ہمارے چھوٹے پر شفقت نہ کرے، شفقت جانتے ہیں؟ ترس نہ کھائے، رحم نہ کھائے، پیار نہ کرے۔ اور جو شخص ہمارے بڑے کی عزت نہ کرے وہ ہم میں سے نہیں ہے۔

سینئر اور جونیئر کے اقدار

یعنی سینئر کا کام یہ ہے کہ وہ جونیئر کے ساتھ شفقت کا معاملہ کرے پہلے ہمارے اس ہاسٹل میں یہ تھا کہ اگر کوئی سینئر کہیں چائے پی رہا ہے اور وہاں جونیئر پہنچ گیا تو وہ سب کو چائے پلاتا اور پیسہ خود ادا کرتا، یہ ایک لحاظ تھا اب کیا حال ہے وہ سب کے سامنے ہے۔ حدیث میں تو یہ بتلایا ہے کہ جو شخص چھوٹوں پر شفقت نہ کرے، ان پر رحم نہ کرے، ان سے پیار نہ کرے اور ہمارے بڑوں کی عزت نہ کرے، ان کا احترام نہ کرے، وہ ہم میں سے نہیں ہے، وہ ہمارے طریقہ سے ہٹا ہوا ہے، وہ ہماری تہذیب سے ہٹا ہوا ہے۔

ہمارے گھر سے لے کر آفس تک اور گاؤں کی پنچایت سے لے کر اسمبلی اور پارلیامنٹ تک اور چھوٹی چھوٹی کمیٹیوں سے لے کر بڑی سی بڑی کمیٹیوں تک یہی چیز جو اتحاد و اتفاق کی جڑ اور بنیاد تھی غائب ہے۔

ایک حقیقت

میں آپ کو تاریخی بات بتاتا ہوں کہ مسلمانوں کی کتنی تنظیمیں اور کتنی ہی کمیٹیاں آزادی کے بعد مسلمانوں کے اتحاد اور اتفاق کے لئے بنیں اور میں یہ سوچتا ہوں کہ اس میں بدگمانی کی کوئی وجہ نہیں ہے لیکن وہ صرف اس لئے ٹوٹ گئیں کہ انھوں نے ''ہماری بات'' نہیں مانی۔ میں ہی اس تنظیم اور کمیٹی کا روح رواں ہوں اور میری ہی بات تسلیم نہیں کی گئی۔ اگر اس مجلس، شوریٰ، کمیٹی کا ہر آدمی یہ سمجھتا کہ میں سب سے بڑا نہیں ہوں، سب کی بات سننا چاہئے، سب کی باتوں پر غور وفکر کرنا چاہئے اور اگر کسی معاملہ میں اختلاف نہیں ختم ہو پا رہا ہے تو اختلاف کو گوارا کرنا چاہئے اسی طرح جیسے آپ اپنے گھر میں گوارا کر لیتے ہیں، ایک ہی گھر میں ایک کھانا گھر کے تمام افراد کو پسند نہیں، کسی کو کوئی دال پسند تو کسی کو کوئی دال، تو کیا کرتے ہیں آپ؟ مار پیٹ کرتے ہیں؟ نہیں جس کو جو پسند ہے وہ کھالیتا ہے۔ یہ مثال میں اس لئے دے رہا ہوں کہ یہی چیز ہم کو ہر معاملہ میں کرنا چاہئے۔

اگر ہم کو اپنے قوم کی، اپنی ملت کی، اپنے گھر کی گاڑی اس دنیا میں صحیح طریقہ سے چلانا ہے تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے بتائے ہوئے طریقہ پر ہم کو چلنا ہوگا تب ہی اس دنیا میں بھی جنت ملے گی اور آخرت میں بھی جنت ملے گی۔

اللہ تعالیٰ ہم کو، آپ کو، سب کو اس حقیقت کو سمجھنے اور اس پر عمل کرنے توفیق عطا فرمائیں۔ وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین۔

صلوٰۃ الرسول ﷺ

''رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز'' (اردو، ہندی)

کلمات استناد: مفسر قرآن حضرت مولانا سید محمد غیاث الدین صاحب مظاہری دامت برکاتہم

کار خیر اور صدقہ جاریہ نیز اپنے مرحومین کے ایصال ثواب کے لئے نماز کی کتاب کو زیادہ سے زیادہ تقسیم کریں اور عنداللہ ثواب کے مستحق بنیں

حضرت حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانویؒ کی دو نادر تحریریں

مصائب وحوادث کا علاج

ماخوذ از مقالات عثمانی

حضرت مولانا ظفر احمد عثمانی صاحب نور اللہ مرقدہ

آج کل ہر آلام ومصائب اور افکار وحوادث کا ہجوم ہے، مفلس اور متمول، مزدور اور سرمایہ دار، جاہل اور عالم، مریض اور تندرست، محکوم اور حاکم، عوام وخواص، سب ہی ان سے متاثر ہیں اور سکون قلب اور طمانیت خاطر کسی کو بھی نصیب نہیں، الا ماشاء اللہ۔ ہر شخص کسی نہ کسی پریشانی میں مبتلا ہے۔ پریشانی کی نوعیت مختلف ہے، کوئی تنگ دستی اور افلاس کا شکار ہے، کسی کی صحت خراب ہے، کوئی اولاد کی نالائقی اور بداطواری سے پریشان ہے، کسی کو بیوی کے ناروا طرز عمل کی شکایت ہے، کوئی شوہر کی بدسلوکی سے نالاں ہے، کسی کو اقارب و احباب کے نامناسب برتاؤ کا شکوہ ہے، اور کسی کو کوئی دوسری فکر اور پریشانی لاحق ہے، غرض یہ ہے کہ ؎

آماجگاہِ موجِ حوادث ہے آج کل
پُتلا بنا ہوا ہے غم روزگار کا

سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ مصائب وحوادث سے کس طرح نجات ملے؟ اور سکونِ قلب کیسے حاصل ہو؟ اس سوال کا جواب دینے سے قبل یہ معلوم کرنا ضروری ہے کہ نزول حوادث ومصائب کا سبب کیا ہے؟ تاکہ اس کو دور کیا جاسکے۔ اس لئے کہ جب سبب دور ہو جائے گا تو مصائب اور حوادث سے خود بخود نجات مل جائے گی۔

یوں تو ہمارے بہت سے ''اصحاب فکر ونظر'' اور ''ارباب حل وعقد'' اپنے اپنے علم وفکر کے مطابق آئے دن ان تدابیر کے متعلق غور کرتے رہتے ہیں جن پر عمل کرنے سے بھی بنی نوع انسان کو پریشانیوں اور تکلیفوں سے نجات ملے اور فلاح وعافیت نصیب ہو۔ لیکن کیا وہ اپنی کوششوں میں کامیاب ہیں؟ نہیں اور یقیناً نہیں۔ وجہ یہ ہے کہ انھوں نے ہمیشہ اصل مرض کی تشخیص اور ازالۂ مرض کی تجویز میں ٹھوکر کھائی۔ ان کی نظر

صرف اسباب طبعیہ تک محدود رہتی ہے، اسباب اصلیہ تک نہیں پہنچتی ، مثلاً ان کا خیال ہے کہ اگر اولاد کی پیدائش پر پابندی عائد کر کے آبادی کے اضافہ کو روک دیا جائے ، زراعت کے جدید آلات استعمال کر کے اور کاشتکاری کے نئے نئے طریقے (جو ''ترقی یافتہ'' ممالک میں رائج ہیں) اختیار کر کے مزروعہ زمین کی پیداوار بڑھائی جائے ،صنعت وحرفت کی ترقی ، اور بے روزگاری کے دور کرنے کے لئے نئے نئے کارخانے قائم کر لئے جائیں ، سیلاب کو روکنے کے لئے بڑے بڑے مضبوط اور پختہ بند تعمیر کر لی جائیں ، جرائم کے انسداد کے لئے سخت اور مؤثر قدم اٹھائے جائیں ، تعلیم کی کمی اور بے روزگاری کو دور کر دیا جائے ، علاج کے لئے زیادہ سے زیادہ سہولتیں فراہم کردی جائیں ....تو موجودہ تکالیف کا سد باب اور زندگی کا معیار بلند ہو جائے اور انسان خوشحالی اور فارغ البالی کی زندگی بسر کرنے لگے گا۔

ان تدابیر میں سے پہلی کے سوا اکثر وہ ہیں جو اسلامی شریعت کے نقطہ نظر سے جائز اور مستحسن ہیں اور انہیں ضرور اختیار کرنا چاہئے ،لیکن یہاں ایک پہلو کی طرف توجہ دلانا مقصود ہے ، اور وہ یہ کہ یہ تمام تدبیریں ظاہری اور مادی ہیں ، اور مسلمان کے نقطۂ نظر سے ہرگز کافی نہیں ، قرآن وحدیث نے ہمیں اپنے مصائب اور مشکلات دور کرنے کا کچھ اور طریقہ بھی بتلایا ہے ، افسوس ہے کہ مسئلے کا یہ پہلو ہماری نظروں سے اوجھل ہوتا جا رہا ہے ۔ ان مادی وسائل کے اختیار کرنے کو کون منع کرتا ہے ، اختیار کیجئے اور ضرور کیجئے ، لیکن یہ یاد رکھئے کہ صرف یہ وسائل اصل سبب کے ازالہ کے لئے کافی نہیں ۔

نزول حوادث ومصائب کا سبب معلوم کرنے کے لئے جب ہم قرآن حکیم کا مطالعہ کرتے ہیں تو حسب ذیل آیات ہمارے سامنے آتی ہیں :

''ظَهَرَ الْفَسَادُ فِي الْبَرِّ وَ الْبَحْرِ بِمَا كَسَبَتْ اَيْدِى النَّاس لِيُذِيْقَهُم بَعْض الَّذِى عَملُوا لَعَلَّهُم يرْجعُوْن'' (سورہ روم:۴۱)

(خشکی اور تری میں لوگوں کے اعمال کے سبب بلائیں پھیل رہی ہیں تا کہ اللہ تعالیٰ ان کے بعض اعمال کا مزہ ان کو چکھادے تا کہ وہ باز آجائیں)

لیکن ہم ان بداعمالیوں سے باز آرہے ہیں؟ پھر جب سبب دور نہ ہو تو مسبب کیسے دور ہو سکتا ہے؟

''وَ مَا اَصَابَكُم مِن مُصِيْبَةٍ فَبِمَا كَسَبَتْ اَيديكُم وَ يَعْفُوا عَنْ كَثِيْر'' (سورۂ شوریٰ:۳۰)

(اورتم کو جو مصیبت پیش آتی ہے وہ تمہاری ہی ہاتھوں سے کئے ہوئے کاموں سے پہنچتی ہے اور بہت سے گناہ تو اللہ تعالیٰ معاف ہی فرمادیتے ہیں)

اللہ اللہ! یہ سزا تو ہمارے بعض اعمال کی ہے اور بہت سی خطاؤں کو تو وہ معاف ہی فرماتے رہتے ہیں۔ اگر سارے گناہوں پر گرفت ہوا کرتی تو کہاں ٹھکانہ تھا، چنانچہ خود ہی فرماتے ہیں:

''وَلَوْ يُوَاخِذُ اللّٰهُ النَّاسَ بِمَا كَسَبُوْا مَا تَرَكَ عَلٰى ظَهْرِهَا مِن دَابَّةٍ و لٰكِن يُؤَخِّرُهُم اِلٰى اَجَلٍ مُّسَمًّى، فَاِذَا جَآءَ اَجَلُهُم فَاِنَّ اللّٰهَ كَانَ بِعِبَادِهٖ بَصِيْرًا'' (سورہ فاطر:۴۵)

(اگر اللہ تعالیٰ لوگوں پر ان کے اعمال کے سبب دارو گیر اور مواخذہ فرمانے لگے تو روئے زمین پر ایک متنفس کو نہ چھوڑتے لیکن وہ ایک میعاد معین تک مہلت دے رہے ہیں، سو جب ان کی وہ میعاد آپہنچے گی اس وقت اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کو آپ دیکھ لیں گے)۔

لہٰذا ہم کو اس کا علاج کرنا چاہئے اور وہ علاج یہی ہے کہ اپنے اعمال سیئہ کو حسنات سے بدلہ جائے اور گذشتہ گناہوں سے استغفار کیا جائے۔ واللہ، اس کے سوا ان بلاؤں کا کوئی علاج نہیں ۔

ہیچ کنجے بے دو و بے دام نیست
جز بخلوت گاہ حق آرام نیست

(خلوت گاہ حق یعنی تعلق مع اللہ کے سوا کہیں آرام نہیں)

کاش ہماری سمجھ میں یہ بات آجائے کہ:

یہ سب بلائیں ہمارے گناہوں کی وجہ سے آرہی ہیں اور ان کا علاج توبہ واستغفار، ترک معاصی اور دعا ہے۔

قرآن وحدیث میں مصائب کا جو اصل سبب اور ان کے ازالہ کی جو صحیح تدبیر بیان کی گئی ہے، اس سے صرف نظر اور روگردانی کر کے ''عقلائے زمانہ'' اصلاحِ حال کے لئے کتنی ہی اور کیسی ہی کوشش کیوں نہ کر لیں راقم السطور کی یہ پیشین گوئی نوٹ کر لی جائے کہ ہرگز کامیاب نہ ہوں گے۔ مرض کی تشخیص صحیح نہ ہو تو علاج کبھی کامیاب نہیں ہوسکتا، اور عازم کعبہ اگر ترکستان کی طرف جانے والے راستہ پر چلنے لگے تو یہ یقین غلط نہیں کہ وہ منزل مقصود پر نہ پہنچ سکے گا بلکہ اس سے بعید تر ہوتا چلا جائے گا۔ چنانچہ تجربہ شاہد ہے کہ جو غلط تدابیر اب

تک اختیار کی گئیں ان کا انجام یہی ہوا کہ اصلاح کی جگہ فساد بڑھتا رہا اور حالت روز بروز بد سے بدتر ہوتی چلی گئی ع

مرض بڑھتا گیا جوں جوں دوا کی

اللہ کے قہر کو تو اللہ کا لطف ہی دور کرسکتا ہے

جب انسان صراط مستقیم سے بھٹک جائے اور عقل سے صحیح طور پر کام نہ لے تو اس کی رائے بھی غلط ہو گی اور عمل بھی۔ اس کو ایک مثال سے واضح کرنا چاہتا ہوں، مثلاً اگر کسی علاقے میں سیلاب یا طوفان آجائے تو قرآن وحدیث کی روشنی میں اس کا صحیح علاج تو یہ ہے کہ جائز ظاہری و مادی وسائل کو اختیار کرنے کے علاوہ ہم گذشتہ گناہوں سے استغفار کریں، جو گناہ کر رہے ہیں ان کو ترک کر دیں اور آئندہ کے لئے گناہ نہ کرنے کا پختہ ارادہ کرلیں اور اللہ تعالیٰ سے نہایت عاجزی اور تضرع وزاری کے ساتھ ازالہ مصائب کے لئے دعا کریں اور اپنے مصیبت زدہ بھائیوں کی جائز اور بقدر وسعت وگنجائش زیادہ سے زیادہ مدد کریں۔ لیکن جب عقل پر پتھر پڑ جاتے ہیں تو یہ سیدھا اور صحیح علاج انسان کی سمجھ میں نہیں آتا اور وہ سیلاب وطوفان سے متاثر ہونے والے افراد کی مالی مدد کرنے کے لے مثلاً ورائٹی شو اور ایکٹریسوں کا میچ کراتا ہے اور ٹکٹ فروخت کر کے یا کسی دوسرے طریقہ سے جو شرعاً ناجائز اور اللہ کو ناپسند ہو رقم حاصل کرتا ہے اورا طرح اپنی ہمدردی کا ثبوت دیتا ہے۔ اس سے بڑھ کر ظلم اور کیا ہوسکتا ہے کہ انسان یہ جانتے اور مانتے ہوئے کہ گناہوں کی وجہ سے اللہ کا قہر وغضب نازل ہوتا ہے، گناہوں کو ترک کر کے اللہ کو راضی کرنے کے بجائے پھر گناہ کر کے اس کے مزید قہر کو دعوت دے۔ اللہ کے قہر کو تو اللہ کا لطف ہی دور کرسکتا ہے اور وہ حاصل ہوتا ہے اوامر کے امتثال اور نواہی کے اجتناب سے۔

بہر حال سمجھ میں آئے یا نہ آئے، لیکن جیسا کہ کتاب وسنت سے ثابت ہے، حقیقت ہے یہی کہ مصائب وحوادث (قحط، گرانی، پریشانی، بلاء وبا، تباہی وبربادی، ہلاکتِ جان ومال، امساکِ باراں، پیداوار میں کمی وغیرہ) کا سبب حق سبحانہ وتعالیٰ کی نافرمانی وعدول حکمی اور معاصی (کثرتِ فواحش، زنا، ومقدمات لواطت، سود، شراب، ناپ وتول میں کمی اور زکوۃ نہ ادا کرنا وغیرہ) کا ارتکاب ہے۔ جس خطہ زمین پر زنا کاری، شراب نوشی، سودخوری، رشوت ستانی، بے حیائی وعریانی، قتل وغارت گری، اغواء واغلام اور دوسرے فواحش ومعاصی کی کثرت ہو وہاں اللہ کی رحمت نازل ہوگی یا اس کا قہر وغضب؟ ؎

اس زمین پر آگ اور انگر برسنے چاہئیں　　　برق گرنی چاہئے از در برسنے چاہئیں

عام طور پر یہ خیال کیا جاتا ہے کہ جو شخص تندرست ہے، صاحب اولاد ہے، اعلیٰ تعلیم یافتہ ہے، جس کے پاس کثیر دولت، شاندار مکانات، عمدہ اور نفیس ساز وسامان، بیش قیمت اور آرام دہ سواریاں اور ملازم و خدمت گار موجود ہیں اور جس کو جاہ واقتدار، حکومت وعظمت اور سیادت وقیادت حاصل ہے، وہ بہت خوش قسمت ہے اور اس کو سکون قلب حاصل ہے۔ یہ درست ہے کہ یہ تمام چیزیں اسباب راحت ہیں لیکن عین راحت نہیں، اسباب راحت اور راحت لازم وملزوم نہیں، یعنی یہ ضروری نہیں کہ جہاں اسباب راحت موجود ہوں وہاں راحت بھی ہو۔ دنیا اپنے غلط معیار کی بناء پر جن لوگوں کی ظاہری کامیابی اور کامرانی پر رشک کرتی ہے، ان کے حالات کا قریب سے مطالعہ اور مشاہدہ کیا جائے تو انسان بعض اوقات یہ دیکھ کر حیران رہ جاتا ہے کہ یہ ناز ونعمت، عیش وعشرت اور آرام وراحت میں زندگی بسر کرنے والے، طوفان رنگ و بو میں غرق ہو جانے والے اور اپنے زعم باطل میں نغمہ ورقص و جام سبو سے زندگی کی تلخیوں کو دور کرنے کی کوشش کرنے والے اپنے پہلو میں کس قدر بے چین اور بے قرار دل رکھتے ہیں، اور زندگی کی حقیقی لذتوں اور مسرتوں سے کس درجہ محروم، اور نا آشنا ہیں۔ اسباب راحت کو لے کر کوئی کیا کرے؟ اس سے ثابت ہوا کہ اسباب راحت مقصود بالذات نہیں مقصود بالغیر ہیں۔ پھر وہ کون سا طریقہ ہے جس سے سکون قلب یقینی طور پر حاصل ہو جائے اس کا جواب نہ سائنس دانوں کے پاس ہے اور نہ ارباب علم وحکمت کے پاس۔ اس کا جواب بھی قرآن ہی میں ہے چنانچہ حق تعالیٰ شانہ کا ارشاد ہے:

”اَلَا بِذِکْرِ اللّٰہِ تَطْمَئِنّ الْقُلُوْب “(خوب سن لو کہ اللہ کے ذکر سے دلوں کو اطمینان نصیب ہوتا ہے)

ہم تلاش کرتے ہیں سکون قلب کو اعلیٰ درجہ کے ماکولات ومشروبات، ملبوسات ومسکونات، دولت و ثروت میں، حکومت وسلطنت اور قیادت وامارت میں، حالانکہ یہ دولت صرف اللہ کے ذکر سے حاصل ہوتی ہے۔ اگر آپ اپنی جدوجہد اور سعی وکاوش سے اسباب راحت جمع کرنے میں کامیاب بھی ہو گئے تب بھی بغیر ترک معاصی اور رجوع الی اللہ تعلق مع اللہ اور ذکر اللہ کے نہ تو آپ کو غم واندوہ سے نجات ملے گی اور نہ سکونِ خاطر نصیب ہوگا۔ ع

اے کاش تیرے دل میں اتر جائے میری بات

مرشدی وسندی حضرت حکیم الامۃ مجدد الملۃ مولانا اشرف علی صاحب تھانوی نور اللہ مرقدہ و برد اللہ مضجعہ کے دو مضمون اب سے تقریباً ۵۳ سال قبل رسالہ ''الامداد'' (تھانہ بھون ضلع مظفر نگر) میں زیر عنوان ''الاحکام الوقتیہ'' ماہ جمادی الاولی ۱۳۳۴ھ و جمادی الاخری ۱۳۳۴ھ میں شائع ہوئے تھے، ان کا بنیادی موضوع بھی یہی تھا۔ ذیل میں یہ دو تحریریں افادۂ عام کے لئے حاضر ہیں، امید ہے کہ ہم سب کے لئے سامان عبرت ہوگی۔

اسباب القحط والغلاء

۱ ابن ماجہ نے حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے ایک طویل حدیث میں یہ بھی روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ نہیں کم کیا کسی قوم نے ناپ اور تول میں مگر مبتلا ہوئے قحط سالی اور سخت مشقت میں، اور نہیں بند کی کسی قوم نے زکوۃ اپنے مال کی، مگر محروم کئے گئے آسمانی بارش سے، پس اگر بہائم نہ ہوتے تو بالکل بارش ہی نہ ہوا کرتی، الحدیث۔ اور

۲ معجم طبرانی میں حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ نہیں کم کیا کسی قوم نے ناپ تول کو مگر روک لی اللہ تعالیٰ نے ان سے بارش کو۔ الحدیث

۳ امام احمدؒ نے حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ سنا میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کہ فرماتے تھے نہیں کوئی قوم کہ ظاہر ہوا ان میں زنا مگر پکڑے گئے قحط میں۔ الحدیث (من علاج القحط والوباء)

۴ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے یہ بھی روایت ہے کہ نہیں کم کیا کسی قوم نے ناپ اور تول کو مگر قطع کی گیا ان سے رزق۔ الحدیث، روایت کیا اس کو مالک نے۔

ان احادیث سے اسباب قحط و گرانی و امساک باراں و کمی رزق کے یہ معلوم ہوئے:

ناپ تول میں کمی کرنا

زکوۃ نہ دینا

زنا کرنا

حق تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ اگر وہ لوگ ایمان لاتے اور تقوی کرتے تو البتہ کشادہ کر دیتے ہم ان پر برکتیں آسمان سے اور زمین سے (شروع پارہ ۹) اس آیت سے معلوم ہوا کہ ایمان اور تقوی میں کمی کرنا سبب ہے پیداوار بارش آسمانی اور زمین کی کمی کا۔

جب اسباب اس کے مشخص ہو گئے تو علاج اس کا ان اسباب کا ازالہ ہے، یعنی ایمان کی درستی، اعمال کی درستی، تمام معاصی سے توبہ و استغفار کرنا خصوص حقوق العباد میں کوتاہی کرنے سے اور زکوۃ ادا نہ کرنے سے اور زنا اور اس کے مقدمات سے کہ وہ بھی بحکم زنا ہی ہیں، جیسے بری نگاہ کرنا، نامحرم سے باتیں بقصد لذت کرنا، اس کی آواز سے لذت حاصل کرنا، خصوص گانے بجانے سے، چنانچہ حق تعالیٰ نے صریحاً بھی اس کو علاج فرمایا ہے کہ اپنے پروردگار کے روبرو اعمالِ سیئہ سے استغفار کرو پھر (اعمال صالحہ سے) اس کی طرف متوجہ ہو وہ تم پر بارش کو بڑی کثرت سے بھیجے گا۔ (پارہ ۱۲ رکوع ۴)

اب اکثر لوگ بجائے ان اسباب اصلیہ کے اسباب طبعیہ کو مؤثر سمجھ کر علاج مذکور کی طرف توجہ نہیں کرتے اور صرف حکایت و شکایت کا یا رائے زنی و پیشین گوئی تخمینی کا شغل رکھتے ہیں جو محض اضاعت وقت ہے۔ ہم اسباب طبعیہ کے منکر نہیں مگر ان کا درجہ اسباب اصلیہ کے سامنے ایسا ہے جیسے کسی باغی کو بحکم شاہی گولی سے ہلاک کیا گیا، دوسرا دیکھنے والا اصلی سبب یعنی قہر سلطانی کو سبب نہ کہے اور طبعی سبب یعنی گولی کو سبب کہے حالانکہ اس طبعی سبب کے استعمال کا سبب وہی سبب اصلی ہے۔ مگر جو شخص اس کو نہ سمجھے گا وہ بغاوت سے پرہیز نہ کرے گا، گولی کا توڑ تجویز کرے گا جو کہ اس کی قدرت سے خارج ہے۔ سو کیا یہ غلطی نہیں ہوگی؟ یہی حالت ہم لوگوں کی ہے۔

فروع

بعض لوگ امساکِ باران کے لئے کچھ تعویذ لکھ کر آسمان کے نیچے رکھتے ہیں۔

بعض جو پہلوں سے اسلم ہیں چندہ کے طور پر کچھ جنس و نقد کر کے کھانا پکوا کر تقسیم کرتے ہیں۔

بعض جو ان پچھلوں سے اصلح ہیں دعا کرتے ہیں اور نماز استسقاء پڑھتے ہیں۔

سو امر اول تو تاثیر میں کالعدم ہے اور اگر مجہول الحقیقت ہو تو بوجہ عدم جواز مضر ہے۔ اور امر ثانی نافع ہے مگر ناکافی ہے، اور اگر قواعد شرعیہ کے موافق نہ ہو چنانچہ جمع کرنے میں وجاہت سے کام لینا یا تقسیم میں اپنے نفس کو یا اپنے اہل خصوصیت کو بدون حاجت یا بدون انداز حاجت دوسرے مساکین پر مقدم رکھنا اور اہل اثر کا اس

میں مالکانہ تصرف کرنا جیسا کہ یہ امور مشاہد ہیں تو برعکس اور زیادہ مضر۔ امر سوم بدلیل ورود سنت کافی ہے۔ مگر جب کہ صرف صورت پر کفایت نہ کی جائے بلکہ صورت کے ساتھ معنی اور روح کو بھی جمع کیا جائے اور روح اس دعا و استغفار کی استغفار ہے، چنانچہ ''حصن حصین'' میں جو دعا حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے استسقاء کی وارد ہے اس میں ''فَارْسِلْنَا السَمَاءَ عَلَيْنا مِدْرَاراً '' کے قبل یہ جملے ہیں ''اَنتَ المُسْتَغفر الْغَفَّار نَستَغْفركَ لِلْحَامَات مِن ذُنُوبنَا وَ نَتوبُ اِلَيكَ مِن عَوام خَطَايَانَا '' پھر ''فارسل'' کو متفرع فرمایا گیا ہے جس سے ضرورت جمع واضح طور پر ثابت ہے۔

لطیفہ عنایت

اس مضمون کے لکھنے کے بعد ایک نماز کے بعد دعا کی بارش کی گئی۔ عرض کیا گیا کہ دعا کے ساتھ گناہوں سے بھی توبہ کرو کہ زیادہ سبب بارش نہ ہونے کا یہی ہمارے گناہ ہیں چنانچہ استغفار بھی کہا گیا، اسی تاریخ میں خدا تعالیٰ کا فضل ہوا کہ ایک معتد بہا مدت تک کے لئے کافی بارش ہوگئی وللہ الحمد۔

لطیفہ عبارت (۱)

اس ماہ کے اور ماہ آئندہ کے مضامین احکام وقتیہ میں ایک عجیب اتفاق رعایت ہوگئی کہ ایک مضمون کے ہر جزو کے محاذاۃ میں دوسرے مضمون کا ایک ایک جزو واقع ہوا ہے، کہیں تقابل کے ساتھ، کہیں تشاکل و تماثل کے ساتھ، چنانچہ باہم تطابق سے یہ رعایت معنویہ معلوم کر کے حظ ہوگا۔

لطیفہ عبارت (۲)

دونوں مضمونوں کے موضوع یعنی غلاء و وباء میں عادۃً کسی قدر جمود ورکود یعنی قرار بھی ہوا کرتا ہے تو دونوں کا ہر دو ماہ جمادیین میں درج ہونا بھی عجیب رعایتِ مناسب لفظیہ ہے۔

اسباب البلاء والوباء

وز زنا افتد وبا اندر جہات

ابن ماجہ نے حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ ''نہیں ظاہر ہوئیں بے حیائی کی باتیں کسی قوم میں حتی کہ کھلم کھلا کرنے لگیں مگر مبتلا ہوئیں طاعون میں اور ایسی بیماریوں میں جو ان کے باپ دادوں میں کبھی نہ ہوئی ہوں گی۔ الحدیث اور

معجم طبرانی میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ نہیں ظاہر ہوا کسی قوم میں زنا مگر ظاہر ہوئی ان میں موت۔الحدیث

سماک بن حرب نے عبدالرحمٰن سے حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہما کا ارشاد نقل کیا ہے کہ جب ظاہر ہوتا ہے سود اور زنا کسی بستی میں حکم فرماتا ہے اللہ تعالیٰ اس کی ہلاکت کا۔

صحیح مسلم میں حدیث ہے کہ ڈھانک دیا کرو برتن کو اور بند کر دیا کرو مشکیزہ کو، کیونکہ سال بھر میں ایک شب ہوتی ہے کہ اس میں وبا نازل ہوتی ہے۔جس برتن کے مشکیزہ پر اس کا گذر ہوتا ہے جو کہ ڈھکا ہوا اور بند نہ ہو اس میں وہ وبا داخل ہو جاتی ہے۔(من علاج القحط والوباء)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے یہ بھی روایت ہے کہ نہیں رائج ہوا زنا کسی قوم میں مگر کثرت سے ہونے لگی ان میں موت۔الحدیث۔روایت کیا اس کو مالک نے (من المشکوۃ باب تغیر الناس)

ان احادیث سے اسباب طاعون وامراض عجیب اور مطلق وبا اور ہلاکت جان بالموت یا بالقتل یا ہلاکت مال بالقحط یا بالغارۃ کے یہ معلوم ہوئے۔

زنا اور مطلق کثرتِ فحش، جس میں زنا کے مقدمات اور امرد پرستی سب داخل ہیں۔

سود کا لین دین

برتنوں کا شب کو کھلا رہنا

حق تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ پس نازل کی ہم نے ان ظالموں پر (یعنی ظالمان بنی اسرائیل پر) ایک آفت سماوی (یعنی طاعون کما فی التفاسیر) اس وجہ سے کہ وہ عدول حکمی کرتے تھے (پارہ یکم قریب نصف) اس آیت سے معلوم ہوا کہ مطلق نافرمانی بھی سبب ہوتا ہے طاعون کا۔

جب سب اسباب مشخص ہو گئے تو علاج اس کا ان اسباب کا ازالہ ہے یعنی فرماں برداری کرنا اور معاصی کا ترک کرنا اور ہر نافرمانی سے توبہ واستغفار کرنا۔خصوص فحش مثل زنا ومقدمات زنا ولواطت ومقدمات لواطت مثل نظر بد وتلذذ بالکلام وغیرہ سے اور سود کے لین دین سے اور یہ تدبیر دافع بھی ہے اور مانع بھی اور شب کے وقت برتنوں کو ڈھانکنا اور یہ تدبیر صرف حافظ اور مانع ہے۔چنانچہ حق تعالیٰ نے صریحاً بھی اس تدبیر کو علاج فرمایا کہ تم اپنے پروردگار کے روبرو (اعمال سیئہ سے) استغفار کرو پھر (اعمال صالحہ سے) اس کی

طرف متوجہ ہو بے شک وہ تم کو وقت مقرر (یعنی ختم عمر) تک عیشی دے گا یعنی اسباب پریشانی و بلیات سے محفوظ رکھے گا۔

اب اکثر لوگ بجائے ان اسباب اصلیہ کے اسباب طبعیہ کو موثر سمجھ کر علاج مذکورہ کی طرف توجہ نہیں کرتے اور صرف حکایت وشکایت کا یا تعداد اموات یا سب وشتم طاعون وبا کا شغل رکھتے ہیں جو محض اضاعت وقت ہے۔ ہم اسباب طبعیہ کے منکر نہیں۔ مگر اس کا درجہ اسباب اصلیہ کے سامنے (جیسا کہ اس کے قبل اسباب القحط والغلاء کے مضمون میں بھی لکھا گیا ہے) ایسا ہے جیسے کسی باغی کو بحکم شاہی گولی سے ہلاک کیا گیا دوسرا دیکھنے والا اصلی سبب قہر سلطانی کو نہ دیکھے اور طبعی سبب یعنی صرف گولی کو سبب کہے حالانکہ اس طبعی سبب کے استعمال کا سبب وہی سبب اصلی ہے جو شخص اس کو نہ سمجھے گا وہ بغاوت سے پرہیز نہ کرے گا، گولی کا توڑ تجویز کرے گا جو کہ اس کی قدرت سے خارج ہے، سو کیا یہ غلطی نہ ہوگی یہی حالت ہم لوگوں کی ہے، فقط

فروع

بعض لوگ حفظ یا دفع وباء وبلا کے لئے بستی کو چھوڑ کر خواہ اس کے نواح میں یا دوسرے بلاد میں منتقل ہو جاتے ہیں اور ادویہ حافظہ ودافعہ کا استعمال کرتے ہیں۔

بعض لوگ جو پہلوں سے اسلم ہیں تعویذ ابواب پر یا اعناق میں چسپاں وآویزاں کرتے ہیں یا آدمیوں پر اور بعضے جانوروں پر مثل چیلوں وغیرہ کے گوشت وغیرہ تصدق کرتے ہیں یا کسی بکرے وغیرہ پر کسی خاص طریقہ سے کچھ دعاء پڑھ کر اس کو ذبح کر کے باہم گوشت تقسیم کیا کرتے ہیں یا سورۃ تغابن وغیرہ پڑھا کرتے ہیں، یا علاوہ اذان نماز کے زائد اذانیں پکار پکار کر کہتے ہیں۔

بعضے جوان پچھلوں سے بھی اصلح ہیں دعا کرتے ہیں اور بزرگوں سے دعاء کراتے ہیں۔

سو امر اول تو تاثیر میں جس حد تک عام لوگوں کا زعم ہے کہ اس کو مؤثر طبعی غیر مختلف سمجھتے ہیں اس درجہ میں کالعدم ہے ہاں باذن الخالق مع احتمال التخلف اثر ثابت ہے، اور اگر مؤثر یقینی سمجھے یا دوسری بستی میں منتقل ہو جائے یا حرام دوا استعمال کرے تو بوجہ معصیت ہونے کے مضر اور سبب غضبِ حق ہے۔ اور امر ثانی کے اجزاء بجز جزء اخیر یعنی زائد اذانوں کے کہ خلاف سنت ہے باقی اجزاء نافعہ ہیں مگر نا کافی ہیں، اور اگر قواعد شرعیہ کے موافق نہ ہوں مثلاً جانوروں کو آدمیوں پر مقدم کرنا یا گوشت ہی کی تخصیص کا اعتقاد کرنا یا یہ سمجھنا کہ

اس گوشت میں بلا لپٹی ہوئی ہے یا مساکین کی تقسیم کے لئے اسی طرح چندہ جمع اور خرچ کرنا جیسا پرچہ سابقہ کے فروع میں مذکورہ ہے تو برعکس اور زیادہ مضر، اور اذان للطاعون کا غیر مشروع ہونا مدلل و مفصل فتاویٰ امدادیہ جلد سوم نمبر ۷۱ میں مذکور ہے اور امر ثالث بدلیل حدیث ''لا یرد القضاء الا الدعاء'' کافی ہے مگر جب کہ صرف صورت پر کفایت نہ کی جائے بلکہ صورت کے ساتھ معنی وروح کو بھی جمع کیا جائے اور روح اس دعا کی توجہ الی اللہ وترک معاصی ہے۔ چنانچہ حدیث میں ہے ''ان اللہ لا یستجیب الدعاء عن قلب لاہ'' اور ایک لمبی حدیث میں ہے کہ ایک شخص کا لباس وطعام وغیرہ سب حرام ہے اور وہ دعا کرتا ہے ''فانی یستجاب لہ''، جس سے ضرورت جمع واضح طور پر ثابت ہوتی ہے، فقط۔　(ماہنامہ البلاغ کراچی)

وفاداری

خلیفہ منصور ایک مرتبہ مدینہ آئے تو اونٹ والوں کی ایک جماعت نے ان کے خلاف قاضی محمد بن عمران کی عدالت میں مقدمہ دائر کر دیا، قاضی نے منصور کے پاس بلاوا بھیجا، قاصد ڈرتے ڈرتے پیغام لے کر پہنچا تو منصور مدینہ طیبہ کے معزز افراد کے ساتھ بیٹھے تھے، قاضی کا پیغام سن کر انھوں نے لوگوں سے کہا:

''مجھے عدالت میں بلایا گیا ہے، اب میں وہاں جا رہا ہوں، لیکن میرے جاتے وقت تم میں سے کوئی تعظیماً کھڑا نہ ہو''

یہ کہہ کر وہ مسجد نبوی کی طرف چلے جہاں بیٹھ کر قاضی محمد بن عمران فیصلے کیا کرتے تھے، جا کر روضہ اطہر پر سلام عرض کیا پھر قاضی کی مجلس میں پہنچے، قاضی نے اونٹ والوں کو بلایا، منصور ان کے ساتھ بالکل مساوی حیثیت پر بیٹھے، کارروائی شروع ہوئی، گواہ پیش ہوئے، قاضی نے منصور کے خلاف اونٹ والوں کے حق میں فیصلہ کر دیا۔

منصور واپس پہنچے تو اپنے خادم سے کہا: ''جاؤ قاضی صاحب فارغ ہو جائیں تو انہیں بلا لانا''

تھوڑی دیر بعد قاضی محمد بن عمران تشریف لے آئے، آ کر سلام کیا، منصور نے سلام کا جواب دے کر کہا:

''تم نے اپنے دین، اپنے نبیؐ، اپنے حسب ونسب اور اپنے خلیفہ کے ساتھ وفاداری کا حق ادا کر دیا، اس کی جزاء تو تمہیں اللہ دے گا میں نے تمہارے واسطے انعام کے طور پر دس ہزار درہم کا حکم لکھ دیا ہے''۔

خواتین اسلام جو علم وفضل، ادب وآگہی اور ہدایت ومعرفت کا منبع ومرکز تھیں

سیریز (۲۳)

ام المومنین حضرت حفصہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا

ڈاکٹر محمد ضیاء الدین مظاہری

حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا کا سب سے بڑا اعزاز یہ ہے کہ یہ خود ام المومنین اور ان کے والدِ محترم امیر المومنین اور خلیفۃ الرسول صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔

حضرت حفصہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دوسرے خلیفہ حضرت سیدنا عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی صاحبزادی ہیں۔

حضرت ام المومنین حفصہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا غزوۂ بدر وغزوۂ احد میں شریک تھیں۔

حضرت ام المومنین حضرت حفصہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا ایک زاہدہ خاتون تھیں جن کو دنیا کی چمک دمک اور اس کی زیبائش سے کوئی سروکار نہیں تھا۔

حضرت حفصہ بہت زیادہ روزے رکھتی تھیں اور راتوں کو بہت نماز پڑھتی تھیں۔ اس کی شہادت حضرت جبرئیل علیہ السلام نے دی، وہ ان کے بارے میں وحی لے کر نازل ہوئے اور رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے فرمایا:

''اِنَّهَا صَوَّامه، قَوَّامه، وَهِيَ زَوجَتک فِي الْجَنَّة'' وہ روزے دار اور عبادت گذار خاتون ہیں اور جنت میں آپ کی بیوی ہوں گی۔

نسب نامہ:

حضرت حفصہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا سلسلہ نسب اس طرح ہے: حفصہ بنت عمر بن خطاب بن نفیل بن عبدالعزی بن رباع بن عبداللہ بن قرط بن رزاح بن عدی بن لوی بن فہر بن مالک۔

حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا کی والدہ

حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا کی والدہ کا نام زینب بنت مظعون بن حبیب بن وہب بن حذافہ بن جمح

تھا جومعروف ومشہور صحابی رسول حضرت عثمان بن مظعون رضی اللہ عنہ کی بہن تھیں اور صحابیہ تھیں۔

حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا کی پیدائش

حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا کی پیدائش بعثت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم سے پانچ سال قبل ہوئی،جس وقت ان کی پیدائش ہوئی قریش خانۂ کعبہ کی تعمیر میں مصروف تھے۔

حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا کی پہلی شادی

ان کا پہلا نکاح حضرت خنیس بن حذافہ بن عدی القرشی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ہوا جن کا تعلق خاندان بنوسہم سے تھا۔حضرت خنیس رضی اللہ تعالیٰ عنہ غزوۂ احد میں شریک ہوئے،اسی غزوہ میں ان کو گہرے زخم لگے جس سے وہ جانبر نہ ہوسکے اور مدینہ منورہ میں وفات ہوگئی۔جس وقت حضرت خنیس کا انتقال ہوا اس وقت حضرت حفصہ کی عمر اٹھارہ سال تھی،بعض کتابوں میں ۲۱ سال عمر لکھی ہوئی ہے۔

اتنی کم عمر میں بیوہ ہوجانے کی وجہ سے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو اپنی جوان بیٹی پر بڑا رحم آتا اور وہ غمگین ہوجاتے،والدمحترم ان کی دوسری شادی کے لئے بڑے فکرمند ہوئے،ایک دوجگہ پیغام بھی دیا لیکن وہ حضرات تیار نہ ہوئے،اس کی تفصیل حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما بیان کرتے ہیں،بخاری کی روایت میں ہے کہ:

’’ان عمر بن الخطاب حين تأيَّمت حفصة بنت عمر من خُنَيس بن حذافة السهمي و كان من أصحاب النبى صلى الله عليه وسلم فتو في با لمدينة فقال عمر بن الخطاب : أتيت عثمان فعرضت عليه حفصة فقال : سأنظر في أمري ، فلبثت ليالي ثم لقيني فقال : قد بدالي أن لا أتزوج يومي هٰذا ، قال عمر : فلقيت أبا بكر الصديق فقلت : ان شئت زوجتک حفصة بنت عمر ، فصمت أبو بكر فلم يرجع اليّ شيئاً ، و كنت أوجدَ عليه مني على عثمان، فلبثت ليالي ثم خطبها رسول الله صلى الله عليه وسلم فأنكحتها اياه ، فلقيني أبو بكر فقال : لقد وجدت على حين عرضت علي حفصة فلم أرجع اليک شيئا ، قال : عمر : قلت : نعم، قال : أبو بكر : فانه لم يمنعني أن أرجع اليک فيما عرضت علي الا أنى كنت علمت أن رسول الله صلى الله عليه وسلم قد ذكرها ، فلم

أكن لأفشي سرَّ رسول الله صلى الله عليه وسلم ، و لو تركها رسول الله صلى الله عليه وسلم قبلتها ۔ (بخاری،کتاب النکاح:۵۱۲۲)

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ جب میری بیٹی حفصہ رضی اللہ عنہا بیوہ ہوگئیں ان کے خاوند خنیس بن حذافہ السہمی رضی اللہ عنہ فوت ہوگئے انہیں غزوۂ بدر میں شریک ہونے کا شرف حاصل تھا وہ مدینہ منورہ میں انتقال کئے سیدنا عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ میں عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ سے ملا اور انہیں حفصہ کے ساتھ شادی کرنے کی پیش کش کی، میں نے صاف لفظوں میں کہا کہ اگر آپ چاہیں تو میں حفصہ رضی اللہ عنہا کا نکاح آپ سے کرنے کے لئے تیار ہوں، انھوں نے کہا میں سوچ کر بتاؤں گا، چند دنوں کے بعد وہ مجھے ملے اور کہا کہ میں ابھی شادی نہیں کرنا چاہتا ہوں۔

سیدنا عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ میں ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ملا، میں نے ان سے کہا کہ اگر آپ چاہیں تو میں حفصہ کی شادی آپ سے کرنے کے لئے تیار ہوں، انھوں نے مجھے کوئی جواب نہ دیا تو میں کبیدہ خاطر ہوا لیکن چند ہی دنوں کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے لئے رضامندی کا اظہار فرمایا تو میری خوشی کی کوئی انتہا نہ رہی اور میں نے ان کی شادی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کردی۔

اس کے بعد ابوبکر مجھ سے ملے اور کہنے لگے:

اے عمر، شاید آپ مجھ سے ناراض ہیں کہ آپ نے حفصہ کی شادی کی پیش کش کی لیکن میں نے خاموشی اختیار کی اور آپ کو کوئی جواب نہ دیا۔

میں نے کہا: ہاں مجھے ناراضگی تو ہوئی تھی۔

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ دراصل میری خاموشی کی وجہ یہ تھی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو میں نے حفصہ کا تذکرہ کرتے ہوئے سنا، میں نہیں چاہتا تھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے راز کو افشاء کروں، البتہ اگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنا ارادہ ترک فرمادیتے تو میں ان سے نکاح کر لیتا۔

حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا ام المومنین بن گئیں

جناب رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا سے سن تین ہجری میں نکاح فرمایا

اور چار سو درہم مہر حق ادا فرمایا۔اس طرح حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا کاشانۂ نبوت میں پہنچ گئیں،حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا پہلے ہی سے کاشانۂ نبوت میں داخل ہوچکی تھیں،ان دونوں امہات المومنین میں خوب الفت ہوگئی اور دونوں ایک دوسرے کے بہت زیادہ قریب ہوگئیں۔حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا تقریباً سات برس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زوجیت میں رہیں۔

حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا کی فقاہت

امیر المومنین حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی جرأت،ہمت،شجاعت اور بہادری ان کو وراثت میں ملی تھی چنانچہ ام المومنین کے مزاج میں بھی جسارت،نکتہ سنجی،نکتہ آفرینی بدرجہ اتم تھی چنانچہ وہ سوال وجواب سے بالکل جھجکتی نہیں تھیں۔رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی باتوں کو بغور سنتیں،سمجھتیں،یاد رکھتیں اور مسائل کے بارے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے وضاحت طلب فرماتیں۔مسند احمد اور ابن ماجہ میں روایت ہے کہ:

عن أم مبشر عن حفصة قالت : قال رسول الله صلى الله عليه وسلم اني لأرجوا أن لا يدخل النار ان شاء الله، أحد شهد بدراً والحديبية ، قالت : فقلت : أليس الله عز و جل يقول : " و ان منكم الا واردها " قال : فسمعَتُه يقول : "ثم ننجي الذين اتقوا و نذر الظالمين فيها جثياً " (مسند احمد:۲۶۹۷۲(۲۶۴۴۰)۔ابن ماجہ:۴۲۸۱)

حضرت ام مبشر انصاریہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا روایت فرماتی ہیں کہ میں حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا کے پاس بیٹھی تھی،اسی وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:"ان شاء اللہ جو اہل ایمان غزوۂ بدر میں شریک تھے اور جنھوں نے مجھ سے صلح حدیبیہ کے موقع پر درخت کے نیچے بیعت کی وہ جہنم میں نہیں جائیں گے"

یہ سن کر حضرت حفصہ کو تعجب ہوا اور ان کے ذہن میں سوال آیا،رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں عرض کیا کہ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں:" وَإن مِنكُم اِلَّا وَارِدُهَا "(اور تم میں ایسا کوئی نہیں جس کا گذر دوزخ پر نہ ہو)(مریم:۷۱)تو پھر آپ کا یہ فرمان:"درخت کے نیچے بیعت کرنے والے دوزخ میں نہیں جائیں گے"سمجھ سے بالاتر ہے؟

رسول اکرم صلی اللہ علیہ نے ارشاد فرمایا:اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں:" ثُمَّ نُنَجِّی الَّذِیْن اتقوا وَ

نَـذَرُ الظّٰلِمِيۡنَ فِيۡهَا جِثِيًّا ''(پھر ہم ڈروالوں کو بچالیں گےاور ظالموں کواس میں چھوڑ دیں گے گھٹنوں کے بَل گرے''۔

اخلاق وعادات

ام المومنین حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا اخلاق فاضلہ پر فائز تھیں،اکثر روزہ رہا کرتی تھیں،تلاوت قرآن مجیداور دوسری عبادات میں مشغول رہا کرتی تھیں۔خاندان فاروقی کوعرب کے قبیلوں میں یہ امتیاز حاصل تھا کہ یہ خاندان بہت دوراندیش،معاملہ فہم،نکتہ آفریں،حاضر جوابی،خطابت وفصاحت اور بلاغت میں معروف تھااور یہ سب خصوصیات ام المومنین کے اندر بدرجہ خاص موجود تھیں۔آپ کی مرقومات فصاحت اور بلاغت سے مزین ہوا کرتی تھیں،اپنے والدمکرم امیرالمومنین سیدنا حضرت عمررضی اللہ عنہ کے مرض میں ان کی یہ تحریر''اعلام النساء''میں مرقوم ہے:

''یا ابتاہ ما یحزنک و فاتک علی رب رحیم و لا تبعة لأحد عندک و معي لک بشارة لا أذیع السر مر تین و نعم الشفیع لک العدل لم تخف علی الله عز و جل خشنة عیشتک و عفاف نهمتک و أخذک بأکظام المشر کین و المفسدین في الأرض''

ثم أنشأت تقول :

اکظم الغلة المخالطه	القلب وأعزی وفي القرآن عزائی
لم تکن بغتة و فاتک وجداً	ان میعاد من تری للفناء

(اعلام النساء ص:۲۷۶)

ایک واقعہ

مدینہ میں ابن صیاد نام کا ایک شخص تھا،دجال کے متعلق رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے جوعلامتیں بتائی ہیں ان علامتوں میں سے بہت سی اس کے اندر موجود تھیں۔ایک دن اس سے اور عبداللہ بن عمر سے راستہ میں ملاقات ہوگئی انھوں نے اس کوسخت باتیں کہیں،اس پر وہ اس قدر پھولا ہوا کہ راستہ روک دیا،ابن عمررضی اللہ عنہ نے اس کو مارنا شروع کیا،حضرت حفصہ کواس کی خبر ہوگئی تو بولیں:تم کواس سے کیا مطلب؟تمہیں معلوم نہیں کہ آپ

صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ دجال کے خروج کا محرک اس کا غصہ ہوگا۔(مسند احمد:، مسلم، کتاب الفتن، ذکر ابن صیاد)

حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا کا ایک اور واقعہ

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے بیان کیا کہ میں ہمیشہ اس بات کا آرزومند رہتا تھا کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ان دوازواج کے نام پوچھوں جن کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ اگر تم دونوں اللہ کے سامنے توبہ کرو (تو بہتر ہے) کہ تمہارے دل بگڑ گئے ہیں۔

پھر میں ان کے ساتھ حج کو گیا، حضرت عمر رضی اللہ عنہ قضائے حاجت کے لئے ہٹے تو میں ان کے ساتھ (پانی کا ایک چھاگل) لے کر گیا۔ پھر وہ قضائے حاجت کے لئے چلے گئے اور جب واپس آئے تو میں نے ان کے دونوں ہاتھوں پر چھاگل سے پانی ڈالا اور انھوں نے وضو کیا، پھر میں نے پوچھا، یا امیرالمومنین، نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی بیویوں میں وہ دوخواتین کون سی ہیں جن کے متعلق اللہ تعالیٰ نے یہ فرمایا کہ: تم دونوں اللہ کے سامنے توبہ کرو۔ انھوں نے فرمایا: ابن عباس، تم پر حیرت ہے، وہ تو عائشہ اور حفصہ (رضی اللہ عنہما) ہیں۔ پھر عمر رضی اللہ عنہ میری طرف متوجہ ہوکر پورا واقعہ بیان کرنے لگے:

آپ نے بتلایا بنو امیہ بن زید کے قبیلے میں جو مدینہ سے ملا ہوا تھا، میں اپنے ایک انصاری پڑوسی کے ساتھ رہتا تھا، ہم دونوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضری کی باری مقرر کر رکھی تھی، ایک دن وہ حاضر ہوتے اور ایک دن میں، جب میں حاضری دیتا تو اس دن کی تمام خبریں لاتا (اور ان کو بتاتا) اور جب وہ حاضر ہوتے تو وہ بھی اسی طرح کرتے۔

ہم قریش کے لوگ (مکہ میں) اپنی عورتوں پر غالب رہا کرتے تھے، لیکن جب ہم (ہجرت کرکے) انصار کے یہاں آئے تو انہیں دیکھا کہ ان کی عورتیں خود ان پر غالب تھیں، ہماری عورتوں نے بھی ان کا طریقہ اختیار کرنا شروع کر دیا۔

میں نے ایک دن اپنی بیوی کو ڈانٹا تو انھوں نے بھی اس کا جواب دیا، ان کا یہ جواب مجھے ناگوار معلوم ہوا لیکن انھوں نے کہا کہ میں اگر جواب دیتی ہوں تو آپ کو ناگوار کیوں ہوتا ہے، اللہ کی قسم، نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی بیویاں تک آپ کو جواب دیتی ہیں اور بعض بیویاں تو آپ سے پورے دن اور پوری رات خفا رہتی ہیں۔

اس بات سے میں بہت گھبرایا اور میں نے کہا کہ ان میں سے جس نے بھی ایسا کیا ہوگا وہ بہت بڑے خسارے اور نقصان میں ہے، اس کے بعد میں نے کپڑے پہنے اور حفصہ کے پاس پہنچا اور کہا:

اے حفصہ، کیا تم میں سے کوئی نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے پورے دن رات تک غصہ رہتی ہیں؟

انھوں نے کہا کہ ہاں، میں بول اٹھا کہ پھر تو وہ تباہی اور نقصان میں رہیں۔ کیا تمھیں اس سے امن ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی خفگی کی وجہ سے (تم پر) غصہ ہو جائے اور تم ہلاک ہو جاؤ۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے زیادہ چیزوں کا مطالبہ نہ کیا کرو، نہ کسی معاملہ میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی کسی بات کا جواب دو اور نہ آپ پر خفگی کا اظہار ہونے دو، البتہ جس چیز کی تمھیں ضرورت ہو وہ مجھ سے مانگ لیا کرو، کسی خودفریبی میں نہ مبتلا نہ رہنا، تمھاری یہ پڑوسن تم سے زیادہ خوبصورت اور نظیف ہیں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو زیادہ پیاری ہیں (آپ کی مراد حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے تھی)

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا کہ ان دنوں یہ چرچا ہو رہا تھا کہ غسان کے فوجی ہم سے لڑنے کے لئے گھوڑوں کے نعل باندھ رہے ہیں۔

میرے پڑوسی ایک دن اپنی باری پر مدینہ گئے ہوئے تھے، پھر عشاء کے وقت واپس ہوئے، آ کر میرا دروازہ زور سے کھٹکھٹایا، اور کہا کہ کیا آپ سو گئے ہیں؟ میں بہت گھبرایا ہوا باہر آیا، انھوں نے کہا کہ ایک بہت بڑا حادثہ پیش آ گیا ہے، میں نے پوچھا کیا ہوا؟ کیا غسان کا لشکر آ گیا؟ انھوں نے کہا: بلکہ اس سے بھی بڑا سنگین حادثہ۔ وہ یہ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پنی بیویوں کو طلاق دیدی ہے۔

یہ سن کر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا، حفصہ تو تباہ و برباد ہو گئی۔ مجھے تو پہلے ہی کھٹکا تھا کہ کہیں ایسا نہ ہو جائے، وہ کہتے ہیں کہ میں نے پھر کپڑا پہنا، صبح کی نماز رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ پڑھی (نماز پڑھتے ہی) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے گھر تشریف لے گئے اور وہیں تنہائی اختیار کر لی۔

میں حفصہ کے یہاں گیا، دیکھا تو وہ رو رہی تھیں، میں نے کہا: رو کیوں رہی ہو؟ کیا پہلے ہی میں نے تمھیں نہیں کہہ دیا تھا؟ کیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تم سب کو طلاق دیدی ہے؟ انھوں نے کہا مجھے نہیں معلوم۔ آپ گھر پر تشریف رکھتے ہیں۔

پھر میں باہر نکلا اور منبر کے پاس آیا، وہاں کچھ لوگ موجود تھے اور بعض رو بھی رہے تھے، تھوڑی دیر تو

میں ان کے پاس بیٹھا رہا لیکن مجھ پر رنج کا غلبہ ہوا اور میں بالا خانہ کے پاس پہنچا جس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف رکھتے تھے، میں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ایک سیاہ غلام سے کہا: (کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے کہو) کہ عمر اجازت چاہتا ہے۔

وہ غلام اندر گیا اور آپ سے گفتگو کر کے واپس آیا اور کہا کہ میں نے آپ کی بات پہنچا دی تھی، لیکن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم خاموش ہو گئے، چنانچہ میں واپس آ کر انہیں لوگوں کے ساتھ بیٹھ گیا جو منبر کے پاس موجود تھے، پھر مجھ پر رنج غالب آیا اور میں دوبارہ آیا لیکن اس دفعہ بھی وہی ہوا، پھر آ کر انہیں لوگوں میں بیٹھ گیا جو منبر کے پاس تھے۔ لیکن اس مرتبہ پھر مجھ سے نہیں رہا گیا اور میں نے غلام سے آ کر کہا کہ عمر کے لئے اجازت چاہو لیکن بات جوں کی توں رہی۔

جب میں واپس ہو رہا تھا کہ غلام نے مجھ کو پکارا اور کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علی وسلم نے آپ کو اجازت دے دی ہے، میں آپ کی خدمت میں حاضر ہوا تو آپ کھجور کی چٹائی پر لیٹے ہوئے تھے، جس پر کوئی بستر بھی نہیں تھا اس لئے چٹائی کے ابھرے حصوں کا نشان آپ کے پہلو میں پڑ گیا تھا۔ آپ اس وقت ایک ایسے تکیہ پر ٹیک لگائے ہوئے تھے جس کے اندر کھجور کی چھال بھری گئی تھی۔

میں نے آپ کو سلام کیا اور کھڑے ہی کھڑے عرض کی، کہ کیا آپ نے اپنی بیویوں کو طلاق دے دی ہے؟ آپ نے نگاہ میری طرف کر کے فرمایا: کہ نہیں۔ میں نے آپ کے غم کو ہلکا کرنے کی کوشش کی اور کہنے لگا: (اب بھی میں کھڑا ہی تھا) یا رسول اللہ، آپ جانتے ہی ہیں کہ ہم قریش کے لوگ اپنی بیویوں پر غالب رہتے تھے، لیکن جب ہم ایسی قوم میں آ گئے جن کی عورتیں ان پر غالب تھیں، پھر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے تفصیل ذکر کی۔ اس بات پر رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم مسکرا دیئے۔

پھر میں نے کہا: میں حفصہ کے یہاں بھی گیا تھا اور اس سے کہہ آیا تھا کہیں کسی خود فریبی میں مبتلا نہ رہنا۔ یہ تمہاری پڑوسن تم سے زیادہ خوبصورت اور پاک ہیں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو زیادہ محبوب بھی ہیں (آپ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی طرف اشارہ فرما رہے تھے) اس بات پر آپ دوبارہ مسکرا دیئے، جب میں نے آپ کو مسکراتے دیکھا تو (آپ کے پاس) بیٹھ گیا، اور آپ کے گھر میں چاروں طرف دیکھنے لگا، بخدا سوا تین کھالوں کے اور کوئی چیز وہاں نظر نہیں آئی۔

میں نے کہا: یارسول اللہ، آپ اللہ تعالیٰ سے دعا فرمائیے کہ وہ آپ کی امت کو کشادگی عطا فرمادے۔ اور فارس اور روم کے لوگ تو پوری فراخی کے ساتھ رہتے ہیں، دنیا انہیں خوب ملی ہوئی ہے، حالانکہ وہ اللہ تعالیٰ کی عبادت بھی نہیں کرتے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ٹیک لگائے ہوئے تھے، آپ نے فرمایا: اے خطاب کے بیٹے، کیا تمہیں ابھی کچھ شبہ ہے؟ یہ تو ایسے لوگ ہیں کہ ان کے اچھے اعمال کی جزا اسی دنیا میں ان کو دے دی گئی ہے۔

(یہ سن کر) میں بولا، یارسول اللہ میرے لئے اللہ سے مغفرت کی دعا کیجئے۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے (اپنی ازواج سے) اس بات پر علیحدگی اختیار کر لی تھی کہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے حفصہ رضی اللہ عنہا نے پوشیدہ بات کہہ دی تھی۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس انتہائی خفگی کی وجہ سے جو آپ کو ہوئی تھی فرمایا تھا کہ میں ان کے پاس ایک مہینہ تک نہ جاؤں گا اور یہی موقع ہے جس پر اللہ تعالیٰ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو متنبہ کیا تھا، پھر جب انتیس دن گذر گئے تو آپ عائشہ رضی اللہ عنہا کے گھر تشریف لے گئے اور انہیں کے یہاں سے آپ نے ابتداء کی۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے کہا کہ آپ نے تو عہد کیا تھا کہ ہمارے یہاں ایک مہینے نہیں تشریف لائیں گے اور آج ابھی انتیسویں کی صبح ہے۔ میں تو دن گن رہی تھی۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: یہ مہینہ انتیس دن کا ہے اور وہ مہینہ انتیس ہی دن کا تھا۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے بیان کیا کہ پھر وہ آیت نازل ہوئی جس میں (ازواج النبی کو) اختیار دیا گیا تھا۔ اس کی بھی ابتدا آپ نے مجھ ہی سے کی اور فرمایا کہ میں تم سے ایک بات کہتا ہوں اور یہ ضروری نہیں کہ جواب فوراً دو، بلکہ اپنے والدین سے بھی مشورہ کرلو۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے بیان کیا کہ آپ کو یہ معلوم تھا کہ میرے ماں باپ کبھی آپ سے جدائی کا مشورہ نہیں دے سکتے، پھر آپ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ: اے نبی، اپنی بیویوں سے کہہ دو ...عظیما تک۔ میں نے عرض کیا: کیا اس معاملے میں بھی اپنے والدین سے مشورہ کرنے جاؤں گی؟ اس میں تو کسی شبہ کی گنجائش ہی نہیں ہے کہ میں اللہ اور اس کے رسول اور دار آخرت کو پسند کرتی ہوں۔

اس کے بعد آپ نے اپنی دوسری بیویوں کو بھی اختیار دیا اور انھوں نے بھی وہی جواب دیا جو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے دیا تھا۔ (بخاری:۲۴۶۸)

ام المومنین حضرت حفصہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی روایت شدہ حدیث

ام المومنین حضرت حفصہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے صحابہ اور تابعین کی ایک جماعت نے روایت کی ہے، جیسے ان کے بھائی عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما، ان کے صاحبزادے حضرت حمزہ اور ان کی اہلیہ صفیہ بنت أبوعبید اور حضرت حارثہ بن وہب اور حضرت مطلب بن ابی وداعہ اور ام البشر انصاریہ اور عبدالرحمٰن بن الحارث بن ہشام اور عبداللہ بن صفوان بن امیہ اور المسیب بن رافع اور سوار الخزاعی رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین۔ام المومنین حضرت حفصہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے تقریباً ساٹھ حدیثیں روایت ہیں، جس میں سے تین روایات صحیح بخاری اور مسلم دونوں میں ہیں، اور چھ روایات صرف صحیح مسلم میں ہے۔ باقی روایات حدیث کی دوسری معتبر کتابوں میں موجود ہیں۔

’’عن ابن عمر قال : حدثتنی حفصة و کانت ساعة لا یدخل علیه فیها أحد أنه کان یصلی رکعتین حین یطلع الفجر تعنی النبی صلی الله علیه وسلم و ینادی المناد في الصلاة‘‘ (بخاری:۱۱۷۳۔ مسلم:۷۲۳۔ مسند احمد:۲۶۹۵۵(۳۶۴۲۳))

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ مجھ سے حفصہ نے بیان کیا اور ایک وقت ایسا بھی ہوتا تھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس کوئی نہیں ہوتا تھا یہ کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم دو رکعت نماز پڑھتے تھے جس وقت فجر طلوع ہوتا تھا یعنی نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور منادی نماز کے لئے پکارتا۔

’’عن حفصة قالت : قلت : یارسول الله، ما شأن الناس حلوا و لم تحلَّ من عمرتک؟ قال : اني قلدت هديي ولبَّدت رأسي فلا أحل حتى أحلَّ من الحج‘‘

(بخاری:۱۶۹۷۔ مسلم:۱۲۲۹۔ مسند احمد۲۶۹۵۶(۲۶۴۲۴))

حضرت حفصہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے کہ وہ فرماتی ہیں کہ میں نے کہا: اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم، اور لوگ تو حلال ہو گئے لیکن آپ اپنے عمرے سے حلال نہیں ہوئے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میں نے اپنی ہدی کو قلادہ پہنا دیا اور اپنے سر کے بالوں کو جما لیا ہے اس لئے جب تک حج سے بھی حلال نہ ہو جاؤں میں (درمیان میں) حلال نہیں ہوسکتا۔

’’عن عبد اللہ بن عمر أن حفصة زوج النبی صلی اللہ علیه وسلم أخبَرَتُه أن رسول اللہ صلی اللہ علیه وسلم کان اذا سکت المؤذن من الأذان بالصبح ، و بدا الصبح صلی رکعتین خفیفتین قبل ان تقام الصلوة‘‘(مسنداحمد:۲۶۹۶۱(۲۶۴۲۹))

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ حفصہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی بیوی نے ان کو بتایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم موذن جب صبح کی اذان دے کر خاموش ہو جاتا اور صبح ظاہر ہونے لگتی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم جماعت کھڑی ہونے سے پہلے ہلکی پھلکی دو رکعت نماز پڑھتے تھے۔

’’عن حفصة زوج النبی صلی اللہ علیه وسلم أنها قالت : لم أر رسول اللہ صلی اللہ علیه وسلم یصلی فی سبحته جالساً قط ، حتی کان قبل مو ته بعام ، أو بعامین ، فکان یصلي فی سبحته جالساً و یقرأ السورة فیُرَتِّلها حتی تکون أطول من أطول منها ‘‘

(مسنداحمد:۲۶۹۷۳(۲۶۴۴۱)۔مسلم:۷۳۳)

حضرت حفصہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے مروی ہے وہ فرماتی ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو کبھی بھی نفل نماز بیٹھے ہوئے پڑھتے نہیں دیکھا لیکن اپنی وفات سے ایک سال یا دو سال پہلے آپ صلی اللہ علیہ وسلم پڑھ لیا کرتے تھے آپ صلی اللہ علیہ وسلم ایک سورت کی تلاوت کرتے اور اس کو اتنا ٹھہر ٹھہر کر پڑھتے وہ لمبی سے لمبی تر ہو جاتی تھی۔

’’عن نا فع أن صفیة ابنة أبی عبید أخبرته أنها سمعت حفصة ابنة عمر زوج النبی صلی اللہ علیه وسلم تحدث،أن رسول اللہ صلی اللہ علیه وسلم قال :لا یحل لامرأة تؤمن باللہ والیوم الآخر أو با لله ورسوله أن تحد علی میت فوق ثلاث الا علی زوج‘‘(مسنداحمد:۲۶۹۸۴(۲۶۴۵۲)۔مسلم:۱۴۹۰)

حضرت نافع رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ صفیہ بنت ابی عبید نے ان کو بتلایا کہ انھوں نے حضرت حفصہ بنت عمر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی زوجۂ محترمہ سے سنا وہ فرماتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ایسی عورت کے لئے جو اللہ پر اور آخرت کے دن پر یا یہ فرمایا کہ اللہ اور اس کے رسول پر ایمان رکھتی ہو حلال نہیں ہے کہ کسی میت پر تین دین سے زیادہ سوگ منائے مگر شوہر پر۔

''عن حفصة قالت : أربع لم يكن يدعهن النبی صلی الله علیه وسلم : صیام عاشوراء ، والعشر ، و ثلاثة أيام من كل شهر و الركعتين قبل الغداة'' (مسنداحمد:۲۶۹۹۱(۲۶۴۵۹))

حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے وہ فرماتی ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے چار چیزیں کبھی نہیں چھوڑتے تھے: عاشوراء (دسویں محرم) کا روزہ، (ذی الحجہ کے) دس دن کے روزے، اور ہر مہینے کے تین دن کے روزے، اور صبح سے پہلے (یعنی فجر کی سنت کی) دو رکعتیں۔

''عن حفصة زوج النبی صلی الله علیه وسلم قالت: كان رسول الله صلی الله علیه وسلم اذا أخذ مضجعه وضع یده الیمنی تحت خده الأیمن ، و كانت یمینه لطعامه و طهوره و صلاته و ثیابه ، و كانت شماله لما سو ی ذلک و كان یصوم الاثنین و الخمیس''

(مسنداحمد:۲۶۹۹۳(۲۶۴۶۱))

حضرت حفصہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی زوجہ محترمہ فرماتی ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب سونے کی جگہ پر تشریف لے جاتے تو اپنے داہنے ہاتھ کو اپنے داہنے رخسار کے نیچے رکھتے اور آپ دایاں ہاتھ کھانے کے لئے، پاک ہونے کے لئے، نماز کے لئے اور کپڑے (پہننے) کے لئے استعمال فرماتے اور اپنا بایاں ہاتھ ان کاموں کے علاوہ میں استعمال فرماتے اور دوشنبہ اور جمعرات کو روزہ رکھتے تھے۔

''عن حفصة ابنة عمر زوج النبی صلی الله علیه وسلم قالت : كان رسول الله صلی الله علیه وسلم اذا أوی الی فراشه وضع یده الیمنی تحت خده و قال : رب قنی عذابک یوم تبعث عبادک ، ثلاثاً'' (مسنداحمد:۲۶۹۹۴(۲۶۴۶۲))

حضرت حفصہ بنت عمر نبی صلی اللہ علی وسلم کی زوجہ مکرمہ فرماتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب اپنے بستر پر تشریف لاتے تو اپنے داہنے ہاتھ کو داہنے رخسار کے نیچے رکھتے اور کہتے: اے میرے رب، مجھ کو اپنے عذاب سے بچا جس دن تو اپنے بندوں کو دوبارہ زندہ کرے گا۔ یہ تین مرتبہ پڑھتے۔

''عن أبی مجلز عن حفصة أن عطارد ابن حاجب قدم معه ثوب دیباج كساه ایاه كسری، فقال عمر : یا رسول الله لو اشتریتَه؟فقال : انما یلبسه من لا خلاق له''

(مسنداحمد:۲۷۰۰۲(۲۶۴۶۹))

حضرت ابومجلز حضرت حفصہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت کرتے ہیں کہ عطارد ابن حاجب آئے تو ان کے ساتھ دیباج کے کپڑے تھے جس کو کسری (ایران کے بادشاہ) پہنتے تھے، تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا: اے اللہ کے رسول اگر آپ اس کو خرید لیں؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس نے اس کو پہن لیا اس کا (آخرت میں) کوئی حصہ نہیں ہے۔

وفات

ام المومنین حضرت حفصہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی سال وفات میں اختلاف ہے، بعض مراجع میں جمادی الاولیٰ سن اکتالیس ہجری مرقوم ہے، اور بعض ماخذ میں سن پینتالیس ہجری درج ہے۔ اس وقت آپ کی عمر ساٹھ یا تریسٹھ برس تھی، حاکم مدینہ مروان بن حکم نے نماز جنازہ پڑھائی اور کچھ دور تک کندھا بھی دیا، ام المومنین کے بھائی عبداللہ بن عمر اور عاصم بن عمر رضی اللہ عنہما اور ان کے بھتیجے حضرت سالم بن عبداللہ حضرت عبداللہ بن عبداللہ اور حضرت حمزہ بن عبداللہ رضی اللہ عنہم اجمعین نے قبر میں اتارا اور جنت البقیع میں تدفین عمل آئی (زرقانی، ج:۳، ۲۳۸)۔

(آمین)

مراجع:

۱۔ مسند احمد، بیت الافکار الدولیۃ
۲۔ بخاری، دارالسلام للنشر والتوزیع
۳۔ مسلم، دارالسلام للنشر والتوزیع
۴۔ المعجم الکبیر للطبرانی،
۵۔ الاصابۃ فی تمییز الصحابۃ اردو، علامہ ابن حجر عسقلانی، مکتبہ رحمانی لاہور
۶۔ اسد الغابۃ فی معرفۃ الصحابۃ، مؤرخ ابن اثیر، المیزان، اردو بازار، لاہور
۷۔ اعلام النبلاء للذہبی، بیت الافکار الدولیۃ۔
۸۔ اعلام النساء، عمر رضا کحالہ۔

اسلام کے غدار
دوست کی شکل میں دشمن جو آستین کا سانپ تھے

خلیفہ ناصر، بدرالدین عمید، سیف الدین اغراق، ابن علقمی

مولانا محمد اسماعیل ریحان

امت مسلمہ کو اپنی تاریخ میں جن سخت ترین حوادث کا سامنا پڑا، ان میں تاتاریوں کا فتنہ سب سے زیادہ خطرناک تھا۔

اس نے اپنے سردار چنگیز خان کی قیادت میں ٦١٦ھ میں عالم اسلام پر حملہ کیا اور آدھی سے زیادہ اسلامی دنیا کو راکھ کا ڈھیر بنادیا۔

عالم اسلام پر چنگیز کے خان کے حملے کے وقت اسلامی دنیا کی سب سے بڑی سلطنت ''خوارزم'' تھی جو افغانستان ایران اور وسط ایشیا کے علاقوں پر مشتمل تھی اور اس کی فوج چار لاکھ سے کم نہ تھی، اس کے باوجود ''خوارزم'' کا بادشاہ علاؤالدین محمد چنگیز خاں کا مقابلہ نہ کرسکا۔ اور تاتاریوں کا سیلاب یوں آگے بڑھتا چلا گیا کہ چالیس سال کے اندر اندر اسلامی دنیا کے اکثر ممالک تاتاریوں کے قبضے میں چلے گئے، ہزاروں مساجد اور مدارس پیوند خاک ہوگئے، کتب خانے جلادئے گئے اور اسلامی تہذیب وتمدن کا چھ سو سالہ ریکارڈ بے نام ونشان ہوگیا۔ اس تباہی کے ذمہ داروں میں پانچ بڑے غداروں کا سب سے زیادہ حصہ رہا ہے۔ ان سب کا تذکرہ ہم نمبروار کرتے ہیں:

۱ غدارِ اسلام خلیفہ ناصر:

یہ عباسی خاندان کا خلیفہ اور بغداد کا حکمران تھا، اس کے آباء واجداد اور اولاد سب اہل سنت والجماعت سے تعلق رکھتے تھے مگر خود اس کے عقائد بگڑے ہوئے تھے، ویسے یہ بڑا عالم فاضل اور شاعر وادیب قسم کا آدمی تھا مگر اس کے اشعار میں مسلمانوں کے متفقہ عقائد سے برگشتگی اور حضرت ابوبکر صدیق، حضرت عمر فاروق، اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہم اجمعین سے بغض وعناد کی جھلک صاف نظر آتی ہے۔

اس کے پڑوس میں خوارزم کی حکومت تھی جس کے حنفی حکمران علاؤالدین محمد خوارزم شاہ کی زبردست قوت سے یہ ہمیشہ حسد کرتا رہتا تھا۔ یہی وہ دن تھے جب چنگیز خان نے چین پر قبضہ کر کے ایک وسیع سلطنت قائم کر لی تھی، اور اس کی ہیبت اور خونریزی سے تمام پڑوسی ممالک اسی طرح خوفزدہ تھے جیسے آج مسلم ممالک امریکہ سے ڈرتے ہیں۔

خلیفہ ناصر نے اس موقع پر امت سے غداری کا ثبوت یوں دیا کہ پڑوسی اسلامی ممالک سے مل کر چنگیز خان کے خلاف اتحاد کرنے کے بجائے چنگیز خان کو خط لکھا کہ اگر وہ ''خوارزم'' پر حملہ کر دے تو بغداد کی حکومت اس کے ساتھ ہوگی۔ چوں کہ چنگیز خان تک اس خط کو لے جانے والے قاصد کو خوارزم کی حدود سے گزر کر جانا تھا اس لئے خلیفہ ناصر نے بڑی عیاری سے کام لیتے ہوئے اس خط کو کاغذ کے بجائے قاصد کے سر پر لکھوایا، اس کا طریقہ یہ اختیار کیا گیا کہ قاصد کا سر مونڈ کر اس کی کھال پر گرم سوئی سے پیغام کے الفاظ کندہ کرادئے گئے اور مہر بھی لگادی۔ جب چند ہفتوں میں قاصد کے بال بڑھ گئے تو اسے روانہ کر دیا گیا۔

خوارزم کی سرحدوں پر اس کی تلاشی کے باوجود کوئی خط برآمد نہ کیا جاسکا اور پیغام چنگیز خان تک پہنچ گیا۔ اس طرح بغداد نے اسلامی ملک ہونے کے باوجود ایک اسلامی ملک کو ختم کرنے کے لئے چنگیز خان کا ساتھ بالکل اسی طرح دیا جیسے افغانستان کی طالبان حکومت کے خلاف امریکہ حملے کے وقت پڑوسی مسلم ممالک نے امریکا کا ساتھ دیا۔

نتیجہ یہ نکلا کہ چنگیز خان نے جب سات آٹھ لاکھ فوج کے ساتھ خوارزم پر حملہ کیا تو خوارزم کا بادشاہ علاؤالدین محمد اس کا مقابلہ نہ کر سکا اور یوں بخارا، سمرقند، مرو، قوقند اور نیشاپور جیسے بڑے بڑے اسلامی شہر تاتاری درندوں کے ہاتھوں اس طرح پامال ہو گئے کہ ان میں ڈھونڈنے سے بمشکل کوئی شخص زندہ ملتا تھا۔

جب خلیفہ ناصر خوارزم پر چنگیز خان کو حملے کی دعوت دے رہا تھا تو اس وقت ایک درباری نے اسے سمجھایا تھا کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ چنگیز خان خوارزم پر حملے کے بغداد کو بھی نہ چھوڑے۔ مگر خلیفہ ناصر نے اس کے اس خدشے کو کوئی اہمیت نہ دی۔ تاریخ گواہ ہے کہ ایسا ہی ہوا اور خوارزم کے بعد بغداد بھی تاتاریوں کے ہاتھوں تباہی

کا شکار ہوا۔

خلیفہ ناصر کا اپنا انجام بہت برا ہوا۔خوارزم کی تباہی کے چند برس بعد جب کہ بغداد کا تا تاریوں سے دوستی کا سلسلہ جاری تھا،اس پر فالج کا شدید حملہ ہوا،دو تین سال تک وہ بے حس وحرکت بستر پر پڑا رہا۔پھر اس کے مثانے میں اتنی سخت پتھری پیدا ہوگئی کہ جراح کو مثانے کا آپریشن کرنا پڑا۔آپریشن ناکام ہوا اور لاکھوں مسلمانوں کے کشت وخون کا ذمہ دار یہ غدار تڑپ تڑپ کر مر گیا۔

خلیفہ ناصر نے اپنے دورحکومت میں بغداد اور دیگر شہروں سے عسکری کھیل کو مثلاً تلوار بازی، نیزہ بازی اور گھڑسواری کی جگہ کبوتر بازی جیسے فضول مشاغل کو رواج دیا۔جب تا تاری بخارا اور سمرقند میں مسلمانوں کے سر کاٹ رہے تھے،خلیفہ ناصر کبوتر بازی سے دل بہلا رہا تھا،خلیفہ کی اس بدذوقی کے باعث عراق اور دیگر علاقوں کے مسلمان جہاد کے بجائے کھیل تماشوں کے عادی ہو گئے اور جب تا تاریوں نے ان پر حملہ کیا تو وہ اپنے دفاع کے لئے کچھ نہ کر سکے۔

خلیفہ ناصر نے حق گوئی پر بھی مظالم ڈھائے ،علامہ ابن جوزی رحمہ اللہ جیسے جلیل القدر عالم کو اس نے جلاوطن کر کے شدید تکالیف میں مبتلا کیا۔خلیفہ کی ان حرکات کا خمیازہ خود اس کے جانشینوں کو بھی بھگتنا پڑا اور کچھ عرصے میں اس کی نسل سے بادشاہت چھن گئی اور بغداد جیسا عظیم شہر تا تاریوں کے حملے میں تباہ وبرباد ہوگیا۔

۲ غدارِ اسلام بدرالدین عمید:

خوارزم کے بادشاہ علاؤالدین محمد نے چنگیز خان کے قاصد کو قتل کر کے اسے خود حملے کا بہانہ فراہم کیا تھا اور پھر اس کے مقابلے میں بہت کمزور حکمت عملی اپنائی تھی،جس کی وجہ سے اسے مسلسل شکست ہوتی رہی،اس کا یہ کردار مسلمانوں کے نزدیک قابل نفرت رہا ہے اور مؤرخین اس بات پر اسے سخت تنقید کا نشانہ بناتے رہے ہیں۔خوارزم شاہ کی ان کمزوریوں سے تو ایک دنیا واقف ہے مگر یہ بات کم لوگ جانتے ہیں کہ اس کی شکست میں اس کی اپنی ناسمجھی کے علاوہ سب سے بڑا ہاتھ کچھ غداروں کا تھا۔ان غداروں میں بدرالدین عمید کا نام سرفہرست ہے۔

بدرالدین عمید خوارزم شاہ کا درباری تھا، جب چنگیز خان نے بخارا کے بعد سمرقند پر بھی قبضہ کر

لیا تو بدرالدین کو خوف محسوس ہوا کہ اب چنگیز خان جلد ہی پورے ملک پر قبضہ کر لے گا، اس نے حالات کا رخ دیکھ کر مسلمانوں کا ساتھ چھوڑ دیا اور چنگیز خان کا وفادار بن گیا، یہ بڑا چالاک انسان تھا، اس نے چنگیز خان کو ایسی عجیب ترکیب بتائی جس سے مسلمانوں میں پھوٹ پڑ سکتی تھی۔ خوارزم کی فوج میں سب سے طاقتور حصہ قپچاقی ترک قبیلے کا تھا، بدرالدین عمید نے چنگیز خان کو سمجھایا کہ کسی طرح قپچاقی ترک سرداروں اور خوارزم شاہ میں بداعتمادی پیدا کر دی جائے تو آپ کے لئے یہ ملک فتح کرنا بالکل آسان ہو جائے گا، دراصل خوارزم کی فوج تین چار مقامات پر شکست کھانے کے باوجود اب بھی ڈھائی تین لاکھ سپاہیوں پر مشتمل تھی اور اگر خوارزم شا کا بیٹا جلال الدین اس کی قیادت کرتا تو یہ فوج تاتاریوں کو شکست دینے کی صلاحیت بھی رکھتی تھی۔ ایسے حالات میں چنگیز خان مسلمانوں کی فوج میں پھوٹ ڈالنا ضروری سمجھتا تھا مگر اس کام کے لئے اس سے پہلے اسے کوئی غدار میسر نہیں آیا تھا تاہم اب بدرالدین عمید جیسا غدار اس کے ہاتھوں میں تھا۔

چنگیز خان نے بڑی خوشی کے ساتھ بدرالدین کو اس کام کے لئے منصوبہ ترتیب دینے کی اجازت دیدی۔

اب بدرالدین نے ایک جعلی خط تیار کرایا، اس خط کا مضمون ایسا تھا جیسے یہ خوارزمی فوج کے قپچاقی ترک سرداروں کی جانب سے چنگیز خان کے نام ہو، بس خط میں تحریر تھا کہ ہم قپچاقی ترک قبیلے کے بہادر افراد علاؤالدین محمد خوارزم شاہ کی حکومت سے بہت تنگ ہیں اور خان اعظم چنگیز خان کے وفادار ہیں، ہم چاہتے ہیں کہ خوارزم شاہ کی حکومت ختم ہو جائے اور آپ اس ملک کے حکمران بن جائیں۔ اس سلسلے میں ہم آپ سے ہر تعاون کے لئے تیار ہیں۔

بدرالدین نے یہ خط اپنے ایک کارکن کے حوالے کیا اور اسے کہا:

''یہ خط لے کر خوارزمی فوج کی کسی چوکی کے پاس سے گذرو، وہ تمہاری تلاشی لیں گے اور یہ خط برآمد کر کے خوارزم شاہ کو پیش کر دیں گے۔ تم سے پوچھ گچھ کی جائے گی تو تم بھی یہی کہنا کہ یہ خط قپچاقی ترک افسران نے مجھے دے کر چنگیز خان کے پاس بھجوا رہے تھے''

کارکن نے اس حکم پر عمل کیا، وہ ایک چوکی کے پاس سے گزرا جہاں اس کی تلاشی لی گئی، خط برآمد ہو گیا،

سپاہیوں نے اسے گرفتار کرلیا۔کارکن نے منصوبے کے مطابق سرکاری افسران کو یہی بتایا کہ میں یہ خط فوج کے فلاں فلاں امراء کی جانب سے چنگیز خان کے پاس لے جارہا تھا۔اب یہ خط خوارزم شاہ کے سامنے پیش کیا گیا، اس کے غصے کی انتہا نہ رہی،اس نے قپچاقی ترک امراء کو سخت برا بھلا کہا اور طے کرلیا کہ انہیں غداری کی بدترین سزا دی جائے گی۔

اِدھران ترک امراء کو جب یہ معلوم ہوا تو ان کے ہوش اڑ گئے،ان پر غداری کا جھوٹ الزام لگایا جارہا تھا،انھوں نے تو ایسا کوئی خط لکھا ہی نہیں تھا،ادھر بادشاہ کے غصے کا عالم دیکھتے ہوئے اس کے سامنے کچھ کہنا فضول تھا۔انھوں نے آپس میں ایک دوسرے سے کہا:

''غداری کا الزام تو ہم پر لگ ہی چکا ہے، کیوں نہ ہم خوارزم شاہ کو قتل کردیں،اگر ہم نے فوراً اسے قتل نہ کیا تو کل وہ ہمیں سزائے موت دے دے گا''

یہ سوچ کر انھوں نے اپنے سپاہیوں کے ذریعے بادشاہ کے خیمے پر تیروں کی بارش شروع کردی، بادشاہ کو اس سازش کا کچھ لمحوں پہلے علم ہوگیا تھا،اس لئے وہ خیمے سے نکل گیا تھا،اِدھر ترک سرداروں کو جب پتہ چلا کہ بادشاہ بچ کر نکل گیا ہے وہ بہت گھبرائے،اب تو بادشاہ کے انتقام سے نجات کی ایک فیصد بھی امید نہیں رہی تھی۔اس لئے انھوں نے طے کیا کہ اپنے اپنے سپاہیوں کو لے کر چنگیز خان کے پاس پناہ لیں،ان کا یہ فیصلہ بالکل غلط اور امت مسلمہ کے حق میں سخت تباہ کن تھا مگر انہیں اس وقت اور کچھ نہیں سوجھ رہا تھا، چنانچہ خوارزمی فوج کے تقریباً ڈیڑھ دو لاکھ سپاہی ان کی قیادت میں راتوں رات چنگیز خان سے جاملے،اس طرح مسلمانوں کی قوت پلک جھپکتے میں پارہ پارہ ہوگئی۔بدرالدین عمید کی چال کامیاب ہوگئی تھی۔چنگیز خان نے اس کامیابی پر بے پناہ خوشی ظاہر کی،اب اس کے سامنے کوئی رکاوٹ نہیں رہ گئی تھی۔

خوارزم شاہ اس حادثے کے بعد ایسا گھبرایا کہ اس نے تاتاریوں سے مقابلے کا ارادہ بالکل ترک کردیا اور ملکوں ملکوں فرار ہوتا ہوا ایک جزیرے میں روپوش ہوگیا۔

مسلمانوں کا غدار بدرالدین عمید کے انجام کے بارے میں کوئی روایت نہیں ملتی،تاہم یہی کیا کم تھا کہ چنگیز خان نے اس کا سرسبز شاداب وطن خزاں رسیدہ پتوں ک طرح روند ڈالا اور اس کے ہم مذہب لاکھوں کلمہ گو مسلمان اس کی نگاہوں کے سامنے موت کے گھاٹ اتار دئے گئے۔دنیا میں لوگ ہمیشہ اس کا نام نفرت سے

لیتے رہیں گے اور آخرت کی ہلاکت اس کے علاوہ ہے۔

۳ غدارِ اسلام سیف الدین اغراق:

چنگیز خان کے خلاف بھر پور جہاد کرنے والے مجاہد کو دنیا جلا الدین خوارزم شاہ کے نام سے جانتی ہے، انھوں نے افغانستان میں چنگیز خان کی فوج کو تین میدانوں میں شکست فاش دی، ان کے ماتحت افغان اور ترک قبائل کے ایک لاکھ رضا کار جہاد کے لئے جمع ہو گئے تھے، ان قبائل کے ایک سردار کا نام سیف الدین اغراق تھا، اس کے پاس چالیس ہزار سپاہی تھے، یہ بڑا جنگجو اور ہوشیار انسان تھا مگر اس میں تکبر اور غرور بھی کم نہ تھا، اس غرور کی وجہ سے یہ سلطان جلال الدین کی تمام فتوحات کو اپنا کارنامہ سمجھتا تھا، اس کا خیال تھا کہ اگر میں نہ ہوتا تو چنگیز خان کو کوئی شکست نہیں دے سکتا تھا۔ آخر کار اس کی یہ خودسری رنگ لاکر رہی۔

مسلمانوں کو کابل کی لڑائی میں فتح کے بعد مال غنیمت میں چنگیز خان کے بیٹے کا قیمتی اور خوبصورت گھوڑا ملا، مال غنیمت شرعی اصول کے مطابق تقسیم نہیں ہوا تھا، سیف الدین اغراق نے اپنا حق جتانا شروع کر دیا، دوسرے سرداروں نے اسے روکا تو یہ لڑائی پر آمادہ ہو گیا، بات بڑھ گئی، سلطان جلال الدین نے اسے سمجھانے کی کوشش کی مگر یہ نہ مانا، جب اسے گھوڑا نہ ملا تو یہ سلطان کے ساتھ غداری کر کے اپنی فوج کے ساتھ پشاور کی طرف نکل گیا، اس کے حامی کئی اور سردار بھی اپنے آدمیوں سمیت اس کے پیچھے چلے گئے، سلطان جلال الدین کی فوج اب آدھی سے بھی کم رہ گئی، مسلمانوں میں پھوٹ پڑنے سے چنگیز خان کو موقع مل گیا کہ وہ سلطان جلال الدین سے اپنی شکستوں کا بدلہ لے سکے، چنانچہ اس نے بہت بڑی فوج کے ساتھ حملہ کیا اور دریائے سندھ کے کنارے سلطان جلال الدین کو شکست دے کر مسلمانوں کی طاقت کا خاتمہ کر دیا۔

اگر سیف الدین اغراق غداری نہ کرتا تو امید تھی کہ سلطان جلال الدین کی قیادت میں مسلمان تاتاریوں سے بدلہ لے لیتے اور چنگیز خان کے مظالم سے انہیں نجات مل جاتی، مگر سیف الدین کی غداری کے نتیجے میں مسلمانوں کی فتح شکست میں بدل گئی اور آئندہ طویل عرصے تک ان پر کفار کی غلامی کی زنجیریں مسلط رہیں۔

۴　غدارِ اسلام ابن علقمی :

بغداد صدیوں تک عالم اسلام کا سیاسی مرکز رہا، عباسی غلفاء نے یہاں چھ صدیوں تک حکومت کی، یہ دنیا کا سب سے بڑا شہر تھا، خوب آباد و شاداب تھا، کم از کم بیس لاکھ افراد یہاں آباد تھے، دریائے دجلہ اس کے درمیان سے گزرتا تھا، اس کے دونوں کناروں پر خوبصورت محلات، پر رونق بازار اور دلکش باغیچے تھے مدرسوں اور بلند میناروں والی مساجد میں ہر دم رونق رہتی۔

خلیفہ معتصم عباسی یہاں کا آخری خلیفہ تھا، وہ ذاتی طور پر نیک آدمی تھا مگر اس کے دور میں بغداد بیرونی خطرات اور اندرونی سازشوں کی زد میں اس طرح آیا کہ وہ حالات پر قابو نہ پا سکا۔ بیرونی خطرہ چنگیز خان کے پوتے ہلاکو خان کا تھا جو عراق کے بڑے حصے پر قبضہ کرنے کے بعد بغداد کو للچائی ہوئی نظروں سے دیکھ رہا تھا۔ اندرونی خطرہ خلیفہ کا اپنا وزیر اعظم تھا جس کا نام ابن علقمی تھا، ملک کا سارا نظام اس کے ہاتھ میں تھا، اصل میں یہ کفار کا ایجنٹ تھا اور عالم اسلام کے اس مرکز خلافت کو جڑ سے اکھاڑنا چاہتا تھا، اس نے عوام پر ناجائز ٹیکس لگا کر ان کی زندگی دوبھر کر دی تھی۔ یہ بغداد میں فرقہ واریت بھی پھیلا رہا تھا، عوام پر اس نے بڑی زیادتیاں کیں، عوام نے اس پر احتجاج کیا، یہ شکایات خلیفہ کے بیٹے شہزادہ ابوبکر کو پہنچیں، اس نے ابن علقمی کی حرکتوں پر کارروائی کی جس سے ابن علقمی جل بھن کر رہ گیا، اس نے بغداد کو فوراً تباہ کرنے کا ارادہ کر لیا۔

اب اس نے ایک طرف تو ہلاکو خان کو خفیہ خط لکھا کہ وہ بغداد پر حملے کی تیاری کرے، دوسری طرف اس نے خلیفہ کو کہا کہ فوج پر خرچہ بہت زیادہ ہو رہا ہے جبکہ ہمارا خزانہ خالی ہے، ہمیں اتنی بڑی فوج کی کوئی ضرورت نہیں، آپ آدھی فوج کو معزول کر دیں۔ خلیفہ نے اس کی باتوں میں آ کر ایسا کرنے کی اجازت دے دی، فوج آدھی رہ گئی، کچھ عرصے بعد اس نے ترقیاتی کاموں کے لئے فنڈ کی کمی کا بہانہ کر کے فوج میں اور کمی کر دی۔ اب ہلاکو خان کے لئے راہ صاف تھی، ابن علقمی کا اشارہ پا کر اس نے محرم ۶۵۶ ھ میں بغداد پر حملہ کر دیا، اور وہاں خون کے دریا بہا دئے، اٹھارہ لاکھ افراد شہید کر دئے گئے، صرف وہی لوگ زندہ بچے جو ابن علقمی کے ہم نوا تھے۔

خلیفہ معتصم عباسی جان بچا کر فرار ہو سکتا تھا مگر ابن علمقی نہیں چاہتا تھا کہ خلیفہ بچ جائے، وہ تو خلیفہ اور اس کے پورے خاندان کے ساتھ شہر کے تمام علماء کو بھی ختم کرانا چاہتا تھا، اس نے خلیفہ کو دھوکہ دیتے ہوئے یہ

یقین دلایا کہ میں آپ کو، آپ کے خاندان کو اور شہر کے سارے بڑے علماء کو خود ہلاکو کے پاس لے جاؤں گا، وہ آپ سب سے اچھی طرح پیش آئے گا، خلیفہ نے اس پر یقین کرلیا، وہ اپنے خاندان اور سینکڑوں علماء وفقہاء کے ساتھ ہلاکو خان کے پاس چلا گیا مگر وہاں ان کے استقبال کی بجائے موت ان کی منتظر تھی۔ ان سب کو بڑی بے رحمی سے شہید کر دیا گیا۔

عباسی خلیفہ کے خاتمے اور بغداد کی تباہی کے بعد ابن علقمی کا خیال تھا کہ اس علاقے کی بادشاہت اسے مل جائے گی مگر ہلاکو خان نے اسے کوئی بڑا عہدہ نہ دیا اور ذلیل کر کے رکھا، ابن علقمی کو اس سے ایسا صدمہ ہوا کہ اس کی حالت غیر ہوگئی، جہاں سے گزرتا لوگ لعنت ملامت کرتے، آخر کار ایک بار ہلاکو خان نے اسے بلایا اور کہا:

''تم اپنے آقا عباسی خلیفہ کے وفادار نہیں رہے تو مجھ سے وفا کیسے کر سکتے ہو'' یہ کہہ کر اس مسلمانوں کے غدار کو قتل کرا دیا۔ اسی طرح ذلت بھری زندگی کے چند دن گزار کر وہ بہت جلد قبر میں جا پہنچا جہاں بے حد دردناک سزا اس کے لئے تیار تھی۔

❁

تخریج شدہ جدید اور خوبصورت ایڈیشن، حاصل کرنے میں جلدی کیجئے

سنت و بدعت

حقائق اور واقعات کی روشنی

قیمت:=/650

تصنیف: صاحب الفضلیۃ الاستاذ الشیخ علی محفوظؒ

ترجمہ: مفسر قرآن حضرت مولانا سید محمد غیاث الدین صاحب مظاہری دامت برکاتہم

تخریج وتحقیق: ڈاکٹر محمد ضیاء الدین مظاہری

ملنے کا پتہ: مکتبہ الاشرف۔ آزادنگر، کرامت کی چوکی، کریلی۔ الہ آباد۔ موبائل:7839216040

ایک عربی مصنف کی کتاب ''استمتع بحیاتک'' کے اردو ترجمہ سے

استفادہ سے محروم لوگ

پروفیسر محمد عبدالرحمٰن العریفی

مجھے بخوبی یاد ہے کہ ایک دفعہ مجھے اپنے موبائل پر ایک پیغام موصول ہوا جو مختصر سے سوال پر مشتمل تھا۔

''یا شیخ، خودکشی کے متعلق شرعی حکم کیا ہے؟''

میں نے موبائل فون پر سائل سے رابطہ کیا۔ دوسری طرف سے ایک نوجوان کی آواز آئی جس نے ابھی جوانی کی دہلیز پر قدم رکھا ہی تھا۔

میں نے کہا: ''معاف کرنا آپ کا سوال میری سمجھ میں نہیں آیا، ذرا دہرا دیجئے''

اس نے زندگی سے بیزار لہجے میں جواب دیا: ''شیخ، سوال تو بڑا واضح ہے کہ خودکشی کے متعلق شرعی حکم کیا ہے؟''

میں نے چاہا کہ اسے ایسا جواب دوں جس کی اسے توقع ہی نہ ہو۔

میں ہنسا اور بولا: ''مستحب (پسندیدہ) ہے۔''

کیا؟ وہ چلایا۔

میں نے پوچھا: ''کیا ہم یہ طے کرنے میں آپ کا ہاتھ بٹائیں کہ آپ کو خودکشی کے لئے کون سا طریقہ استعمال کرنا چاہئے؟''

نوجوان چپ رہا۔

اس پر میں نے کہا: ''اچھا، یہ بتائیں کہ آپ کیوں خودکشی کرنا چاہتے ہیں؟''

وہ بولا: ''کیونکہ مجھے کوئی ملازمت نہیں ملتی، لوگ پسند نہیں کرتے، دراصل میں ایک ناکام انسان ہوں''۔ پھر اس نے مجھے تفصیل سے اپنے حالات بتائے، وہ اپنے آپ میں بہتر تبدیلی لانے اور اپنی

دستیاب صلاحیتوں سے فائدہ اٹھانے میں نے ناکام رہا تھا، حقیقت یہ ہے کہ ہم میں سے بیشتر افراد کو یہ مسئلہ درپیش ہے۔

سوال یہ ہے کہ آخر انسان اپنے آپ کو اس قدر گھٹیا کیوں تصور کر لیتا ہے؟ وہ پہاڑ کی چوٹی پر کھڑے لوگوں کو ہی کیوں تاکتا رہتا ہے؟ ان کی طرح وہ بھی پہاڑ کی بلندیوں پر کیوں نہیں پہنچ جاتا؟ یا کم از کم لوگوں کی دیکھا دیکھی وہ پہاڑ پر چڑھنا شروع کر دے۔

کسی شاعر نے کیا خوب کہا ہے:

ومن يَّتهيَّبُ صُعودَ الجبال

يعيشُ أبدَ الدهرِ بين الحُفَرُ

جو کوئی پیمائی سے گھبراتا رہتا ہے وہ ہمیشہ گڑھوں میں زندگی بسر کرتا ہے۔

کیا آپ جانتے ہیں کہ کون آدمی اس کتاب سے یا ان اصولوں پر لکھی گئی کسی بھی کتاب سے کبھی استفادہ نہیں کر سکتا؟ وہ بے چارہ انسان جس نے اپنی بری عادتوں کے روبرو سرِ تسلیم خم کر دیا ہے، جو اپنی موجودہ صلاحیتوں پر قناعت کر کے بیٹھ گیا اور کہتا ہے کہ:

میں کیا کروں، یہ میرے مزاج کا حصہ ہے۔

اللہ نے مجھے ایسا ہی بنایا ہے...

میں اس کا عادی ہو چکا ہوں...

میں اپنا طریق کار تبدیل نہیں کر سکتا...

لوگ میرے اس مزاج کے عادی ہو چکے ہیں...

اگر آپ کہیں کہ میں خالد جیسی تقریر کرنے لگوں یا احمد جیسا خوش باش نظر آؤں یا جواد کے مانند لوگوں کا پیارا بن جاؤں تو یہ محال ہے، وغیرہ وغیرہ

ایک دن میں مجلس میں حاضر تھا، میرے ساتھ ایک خاصے عمر رسیدہ بزرگ تشریف فرما تھے، مجلس میں بیٹھے تقریباً سب افراد عوام کے طبقے سے تعلق رکھتے تھے اور معمولی صلاحیتوں کے مالک تھے، وہ بزرگ اپنے پاس بیٹھے لوگوں سے خوش گپیوں میں مصروف تھے۔ وہ مجلس کے دیگر افراد میں صرف اپنی بڑی عمر کی وجہ سے

نمایاں تھے،اس کے علاوہ ان میں ایسی کوئی خاص بات یا غیر معمولی صلاحیت نہیں تھی۔

میں نے وہاں ایک مختصر سی تقریر کی جس میں شیخ عبدالعزیز بن باز کے ایک فتوے کا ذکر کیا، جب میں اپنی بات کر چکا تو بڑے میاں فخریہ لہجے میں مجھ سے مخاطب ہوئے:

''میں اور ابن باز ہم جماعت تھے،آج سے چالیس سال قبل ہم مسجد میں شیخ محمد بن ابراہیم کے پاس اکٹھے پڑھا کرتے تھے''

میں حیران ہو کر ان کی طرف دیکھنے لگا، یہ خبر سنا کر مارے خوشی کے ان کے چہرے کی دھاریاں دمک رہی تھیں، وہ اس بات پر بیحد مسرور تھے کہ انہیں کسی زمانے میں ایک کامیاب انسان کی صحبت حاصل رہی ہے جب کہ میں دل ہی دل میں انہیں ملامت کر رہا تھا:

''اے لاچار آدمی،تم بھی ابن باز کی طرح کامیاب کیوں نہ ہو سکے؟تمہیں تو راستے کا بھی علم تھا، پھر تم نے اپنا سفر جاری کیوں نہ رکھا؟''

ایسا کیوں کہ ابن باز وفات پائیں تو منبر ومحراب ان پر روئیں، لائبریریاں آنسو بہائیں اور ایک زمانہ ان کے فراق پر نوحہ کناں نظر آئے اور جب تمہیں موت آئے تو شاید تم پر رونے والا کوئی نہ ہو،اور اگر کوئی روئے بھی تو زیادہ سے زیاد دل جوئی کی خاطر یا رسمِ دنیا کے طور پر۔

ہم میں سے ہر ایک کبھی نہ کبھی یہ ضرور کہتا ہے کہ میں فلاں بڑے آدمی کو جانتا ہوں یا میں فلاں کا ہم جماعت رہا ہوں یا فلاں کے ساتھ میری مجلسیں جما کرتی تھیں۔ان باتوں پر ناز نہیں کرنا چاہئے،فخر کی بات صرف یہ ہے کہ آپ بھی اسی بلندی پر پہنچیں جس پر وہ فائز ہے۔

ہم میں سے ہر ایک کو بہادر بننا اور آج ہی سے یہ عزم کرنا ہوگا کہ وہ اپنی صلاحیتوں سے جن کے کارآمد ہونے پر اسے اطمینان ہے، اپنی زندگی میں فائدہ اٹھائے گا اور ایک کامیاب انسان بننے کی کوشش کرے گا۔

اس لئے ترش روئی چھوڑ کر اپنے چہرے پر مسکراہٹ سجائیں۔

افسردگی کو خیر باد کہہ کر ہشاش بشاش اور خوش باش نظر آئیں۔

کنجوسی چھوڑ کر کشادہ دلی اپنائیں۔

اپنے غصے پر قابو پائیں اور اسے بردباری اور ٹھہراؤ میں بدل ڈالیں۔

مصائب کے گھُپ اندھیروں میں خوشی کی کرنیں تلاش کریں۔

اپنے آپ کو ایمان ویقین اور اعتماد کے ہتھیاروں سے لیس کریں۔

اپنی زندگی میں دلچسپی لیں، اس سے لطف اندوز ہوں۔

زندگی کے دن تھوڑے ہیں، انہیں بے جا غم اور بے مقصد پریشانیوں میں ضائع نہ کریں۔

حاصل

بہادر وہ ہے جو پختہ عزم کے ساتھ اپنی صلاحیتوں کو ترقی دیتا رہے اور ان سے بھرپور فائدہ اٹھائے۔

موجودہ حالات ومعاشرت کے پیش نظر ''تفسیر تبیان القرآن'' سے ماخوذ

دلکش، پرکشش اور جاذبِ نظر ذیلی سرخیوں سے مزین ایک حسین گلدستہ

کشف القرآن

عمدہ، اور خوبصورت طباعت، محدود نسخے

مقدمہ

مفسر قرآن حضرت مولانا سید محمد غیاث الدین صاحب مظاہری دامت برکاتہم

مرتب

مولانا سید محمد عماد الدین مظاہری الہ آبادی

قیمت: 350/=

آج ہی اپنا نسخہ محفوظ کرالیں

ملنے کا پتہ: مکتبہ الاشرف۔ آزادنگر، کرامت کی چوکی، کریلی۔ الہ آباد۔ موبائل: 7839216040

تصوف کا جوہر

مجلس شیخ المشائخ امام السلوک مسیح الامت

حضرت مولانا مسیح اللہ خاں صاحب شروانی نوراللہ مرقدہ

ارشاد فرمایا: کہ آ گئے ستانے کے لئے، آہ، محبت میں تو ستایا ہی جاتا ہے، سستی دور ہوگئی، چستی لے کر ستانے کے لئے آ گئے، مگر ہاں کہیں ایسا نہ ہو کہ میری باتوں کو کان میں سن سن کر ہوا میں اڑا دو، ''ہباء منثورا'' کر دو، تو پھر طلب کیا ہوئی وہ تو مطلب ہو گیا، طلب کہاں ہوئی؟ خیر، فضل الٰہی سے میری باتوں کو بتوفیق الٰہی ذرا غور سے سنتے رہا کرو، یہ چٹکلے ہیں چٹکلے، اس لئے جلدی برامت ماننا بلکہ اخیر تک پہنچنے کی کوشش کرو۔

چنانچہ میں نے کہا تھا کہ آ گئے ستانے کے لئے، ستا کر، سستی اتار کر، چستی لے کر ستانے کے لئے آ گئے، ارے بھائی محبوب تو ستایا ہی کرتا ہے اس کا ستانا پیار سے زیادہ اچھا لگتا ہے۔

(حق تعالیٰ نے حضرت کو رعب و ہیبت عطا فرمایا تھا اس لئے گاہے بگاہے حضرت اس طرح کی بے تکلفی کی بتیں حاضرین مجلس کو مانوس کرنے کے لئے فرمایا کرتے تھے)۔

اہل اللہ کو محبت پہلے ہوتی ہے، مریدین کو بعد میں

ارے، آپ کو کیا محبت ہوگی؟ پہلے ہم ہیں تو پہلے ہمیں آپ سے محبت ہوئی ہوگی، اب آ گئے ہیں تو ذرا کان بھی یہیں ہوں، دل بھی یہیں ہوں اور جسم بھی یہیں ہوں، جب کام چلتا ہے، اسی کہا ہے ع

عشق اول در دل معشوق پیدا می شود

اللہ تعالیٰ جانتے تھے کہ میں یوں کہوں گا تو وہ سب یوں کہیں گے کیونکہ ابھی ان کی فطرت سلیم ہے چنانچہ اللہ تعالیٰ نے عالم میثاق میں جب فرمایا ''الست بربکم'' تو سب نے متفق علیہ ہو کر کہا: ''بلیٰ'' کہ کیوں نہیں؟ واقعی آپ ہمارے رب ہیں۔

سو تم نے ''بلیٰ'' کہہ کر ''بلاء'' سر پر لے لی، اب دیکھوں گا کیسے نبھاؤ گے؟ میں تمہیں وہاں بھیجوں گا جہاں بڑی رنگ رلیاں ہیں بڑی خوش نمائیاں ہیں، بڑی فریب کاریاں ہیں اور وہ دل کشا اور فریب کی جگہ ہے وہاں بھیجوں گا اور دیکھوں گا کہ یہ جو تم نے میرے سامنے ظاہر کی ہے ''بلیٰ'' کہہ کر، یہ مجھ پر، میرے ساتھ ہی

فریفتگی رہے گی یا گل کاریوں پر فریفتگی رہے گی، دیکھوں گا؟ میرے ساتھ ہی وابستگی و دل بستگی رہے گی یا نہیں رہے گی؟ مجھے تو معلوم ہے، یہی تم کہہ کر آئے تھے؟ کہنا آسان ہے نبھانا مشکل ہے۔

نظیر

مثلاً لڑکا، جوان ہوکر بیاہ کرتا ہے کیوں کرتا ہے؟ کیا اس نے شادی سے پہلے اپنا بیٹا پیدا ہوا دیکھ لیا تھا؟ بلکہ معدوم پسر کی محبت، پہلے اس کے دل میں آئی پھر اس کا طریق اس نے استعمال کیا جو خارج میں تھا۔ آپ نے شادی سے پہلے اس نطفہ سے پیدا ہونے والے بیٹے کو کیا دیکھا تھا؟ لیکن بیٹے کے لئے آپ کے دل میں محبت آئی حالانکہ ابھی اس کو دیکھا بھی نہیں، لیکن آپ کو اس معدوم کے ساتھ محبت ہوگئی۔

پہلے خالق کو مخلوق سے محبت ہوئی

تو ایسے ہی پہلے اللہ تعالیٰ کو اس معدوم انسان مخلوق سے محبت ہوئی، خوب سوچ لو، یہ ذات باری تعالیٰ کا اول نوال (یعنی احسان وعطا) ہے کیونکہ وہ جواد ہے، پھر بکمال اس معدوم کا موجود ہونا ہوا۔ اول نوال ہوا، دوم ظہور کمال ہوا پھر جو نظر گئی تو سوم ظہور جمال ہوا، یہ میرے اور آپ کے لفظ ہیں، جب تجلی ہوئی تو جمال ہوا جس کا نام ظہور ہے، خدا کرے کہ پھر ہماری وہ آنکھیں لوٹ کر آجائیں جن کی آنکھوں سے وہ جمال ظاہر ہوا۔

بادشاہ اور لیلیٰ

مولانا روم رحمۃ اللہ علیہ نے ایک دوسرے پیرائے میں اس کو بیان فرمایا ہے۔ ذرا گوش ہوش سے سننا، بادشاہ وقت کو معلوم ہوا کہ کوئی مجنون ہے جس کی فریفتگی لیلیٰ کے ساتھ انتہائی درجہ کو پہنچی ہوئی ہے تو وہ بڑی باحسن وجمال ہوگی، حوران بہشت کے مثل ہوگی، میں بھی ذرا دیکھوں۔ حکم جاری ہوگیا، حکم سلطانی ہوا تو حاضر ہوگئی۔ جب بادشاہ نے دیکھا تو دیکھا کہ یہ تو کچھ زیادہ حسیناؤں میں سے نہیں ہے، مجنوں کو کیا ہوگیا کہ عقل کھو دی۔ اسی کو مولانا روم رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ بادشاہ نے کہنا شروع کیا ؎

گفت لیلیٰ را خلیفہ کیں توئی   کز تو شد مجنوں پریشاں وغوی

بادشاہ نے لیلیٰ سے کہا کہ تو وہی ہے کہ تجھے دیکھ کر مجنوں پریشان و بے عقل ہوگیا، غوی یعنی بے عقل، پریشان اپنی شان کھو بیٹھا اور کہا ؎

از دگر خوباں تو افزوں نیستی

تو دوسرے خوبصورتوں سے زیادہ خوبصورت تو نہیں ہے۔

مگر لیلیٰ کے اندر جو بات تھی اس کو پر جوش برملا کہہ بیٹھی ؎

گفت خامش چوں تو مجنوں نیستی

اسے بھی ایک ناز ہے بادشاہ سے کہہ رہی ہے کہ چپ رہو، تو مجنوں جیسا نہیں ہے، تو کیسی باتیں کرتا ہے۔ یاد رکھ ؎

دیدۂ مجنوں اگر بودے ترا　　　　ہر دو عالم بے قدر بودے ترا

اگر مجنوں جیسی تیری آنکھ ہوتی تو پھر دنیا تو کیا، دنیا و آخرت دونوں کو بھی خاطر میں نہ لاتا۔

سمجھے بھائیو، سمجھ کر سننے کی، طلب وسعی رکھ کر سننے کی باتیں ہیں، کیوں وقت ضائع کرتے ہو؟ کیا عجیب بات کہی ہے ؎

دیدۂ مجنوں اگر بودے ترا　　　　ہر دو عالم بے قدر بودے ترا

مجنوں جیسی آنکھیں تیری ہوتیں تو پھر میں تجھ سے پوچھتی، بالضرور اس وقت تجھے یہ کہنا پڑتا کہ دو نوں جہاں کی قدر و قیمت میرے قلب میں نہیں۔ یہ ہے ترتیب ظہور کہ اول نوال، دوم کمال، سوم جمال۔ ارے بچو، بچو اغیار سے۔

ابن فارضؒ پر ذات حق کی تجلی

اسی لئے حضرت والا (حضرت مجدد الملت حکیم الامت مولانا تھانوی قدس سرہ) نے فرمایا کہ ابن فارضؒ ایک بزرگ گذرے ہیں جب ان کے نزع کا عالم ہوا تو موت کے وقت آٹھوں بہشتیں ان کے سامنے کر دی گئیں مگر انھوں نے رخ پھیر لیا اور کہا ؎

ان کان منزلتی فی الحب عندکم　　　　ما قـــد رأیت فقد ضیعت ایامی

اگر یہی میری منزل ہے آپ کے نزدیک میری محبت کا یہی منتہاء ہے جو کچھ میں دیکھ رہا ہوں تو میں نے اپنی عمر برباد کر دی۔

فی الفور آٹھوں بہشت بہشتی کی نظروں سے غائب ہو کر اور تجلی حق ہو کر روح نکل گئی۔ معلوم ہوا کہ اصل مقصود اور مطمح نظر ذات باری تعالیٰ کا منظور نظر ہونا ہے لیکن اس کا محل جنت ہے، اس لئے طلب جنت

فی نفسہ نہیں بلکہ جنت واسطہ ہے اس نعمت عظیمہ دیدار الٰہی کا۔اسی لئے کہہ دیا کہ جنت الفردوس کا سوال کرو۔

تو میں نے کہا کہ آ گئے ستانے مجھے، اب سمجھے ستانا؟ اس وقت تو برا معلوم ہوا ہوگا جب میں نے کہا تھا کہ ستا کر آ گئے، سستی اتار کر چستی کو لے کر ستانے کے لئے آ گئے جب تو برا معلوم ہوا ہوگا، خیال ووسوسہ ہوا ہوگا کہ بھائی اٹھ کر چلو، اب تو ستانے کی تشریح وتوضیح ہوگئی، یا ابھی نہیں ہوئی؟ ہاں یہ ستانا پیار سے اچھا ہے، میں تو یوں چاہتا ہوں کہ روز ستانے آجایا کرو ایسے محبوب کہاں ملیں گے؟

حضرت مولانا محمود الحسن صاحبؒ کی عجیب حکایت

مجھے بات یاد آ گئی، ہمارے استادوں کے استاذ حضرت مولانا محمو الحسن صاحب رحمۃ اللہ علیہ بخاری شریف پڑھا رہے تھے، سردی کا موسم ہے، کچھ اوڑھے بیٹھے ہیں، برابر میں آ کر کوئی بیٹھ گیا اس نے اپنی چادر میں سے ہاتھ ادھر کر کے اور مولانا محمود الحسن صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے ران میں چٹکی خوب زور سے جتنی زور سے لی جاسکتی تھی لی، مولانا اسی طرح پڑھاتے رہے، جب فارغ ہوگئے تو وہ شخص سامنے آ کر کہنے لگا کہ حضور میں نے آپ کو ستایا، معاف کر دیجئے۔کیا ستایا؟ مجھے تو کچھ ستایا نہیں۔نہیں حضرت، میں نے آپ کی ران میں چٹکی لی، اور ایسی زور سے لی کہ بلا آہ کئے ہوئے کوئی نہیں رہ سکتا تھا، مجھے معاف کر دو۔اچھا، میں تو خیال کر رہا تھا کہ بے چارے کو مجھ سے محبت ہے اور محبت میں چٹکی لی ہی جاتی ہے۔سمجھ میں آیا ستانا؟ مگر محبت ہو جس کو محبت کہتے ہیں وہ ہو جب مزہ آتا ہے۔

ایک محبِّ صادق کی لطف آمیز محبت کا بیان

حضرت والا (حضرت حکیم الامت مجدد الملت مولانا تھانوی قدس سرہ) نے اپنے وعظ میں بیان کرتے ہوئے فرمایا کہ کوئی کسی کی محبت کے اندر پھر رہا ہے، پیچھے سے محبوب آ گیا، اس نے ایسا دبوچا کہ ہڈی پسلی مل کر سب ایک ہوئی جا رہی ہے۔پوچھا آپ کو تکلیف ہے جلدی بتاؤ؟ اگر تکلیف ہو رہی ہے تو دوسرا رقیب ہے میں اس کو دبوچ لوں؟ وہ کیا کہتا ہے ؎

نکل جائے دم تیرے قدموں کے نیچے — یہی دل کی حسرت یہی آرزو ہے

میں کیسے گوارہ کرلوں گا کہ تو دوسرے کو دبوچے ؎

نکل جائے دم تیرے قدموں کے نیچے — یہی دل کی حسرت یہی آرزو ہے

یہ واقعہ حضرت والا رحمۃ اللہ علیہ کے وعظ کے اندر ہے، مگر جب ہو وہ محبت جس کو محبت کہتے ہیں۔

شیخ کی ذات ترابی سے محبت ہونی چاہئے

اسی لئے سلوک کا مسئلہ ہے کہ شیخ کے اوصاف وکمالات سے قطع نظر ہو کر اس کی ذات ترابی (یعنی اس کے خاکی وجود) سے محبت ہو، کیونکہ کمالات تو خیالی چیزیں ہیں، نہ معلوم کس وقت خیال کمال سے ہٹ جائے تو محبت بھی گئی۔

شیخ کے امور خانگی سے نظراندازی

اس لئے دوسرا مسئلہ یہ ہے کہ شیخ کے خانگی معاملات سے اور خانگی حالات سے نظر اندازی ہو، منافق ہٹ جاتا ہے، مخلِص ومخلَص نہیں ہٹتا، شیطان کو بھی اقرار کرنا اور کہنا پڑا کہ ''الا عبادک منہم المخلصون'' اسے بھی کہنا پڑا وہ بھی لاچار ہو گیا، یہاں آکر مخلص کے سامنے اس نے بھی ہتھیار ڈالدئے اور استثناء کرنا پڑا ''الا عبادک'' کہ جو آپ کے مخلص بندے ہوں گے ان پر میرا قابو نہیں چلے گا، اسی لئے مستثنیٰ کر دیا۔

ذکر کے اقسام

اسی لئے ''لا الٰہ الا اللہ'' کا ذکر کرتے ہوئے ''لا الٰہ'' سے ہٹ کر ''الا اللہ'' کا ذکر رہ گیا پھر، اس سے بھی لفظ ''الا'' ہٹ کر ''اللہ اللہ'' کا ذکر رہ گیا، تکرار، تکرار، تکرار ہوتے ہوئے اوقع فی القلب ہو کر ''اللہ'' رہ گیا، پہلے ذکر ناسوتی ہوا پھر ذکر ملکوتی ہوا پھر ذکر جبروتی ہوا پھر ذکر لاہوتی پھر وہ ''ہو'' رہ گیا، پھر اسی ''ہو'' کا ظہور ہے، ''الا اللہ'' تو ذات وجوو جوبی ہوتے ہوئے اوصاف سے بھی قطع نظر ہو گیا، بس اب دعا کرتے ہوئے چلئے کہ ''اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيمَ، صِرَاطَ الَّذِيْنَ اَنْعَمْتَ عَلَيْهِم ،غَيْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَيْهِم وَ لَا الضَّآلِّيْن ''بس اب سیدھے سیدھے صراط مستقیم پر چلتے رہو، حالات کا طریان ختم ہو گیا۔ (یعنی وہ مختلف حالات جو سالک پر سلوک کے دوران طاری ہوتے رہتے ہیں ان کا سلسلہ ختم ہو گیا)۔

اب ایسے شخص کے اندر ہر چیز کی طلب نکل کر رضائے دوست ہی کی طلب رہ گئی، اسی کو یوں کہا ہے ؎

فراق ووصل چہ باشد رضائے دوست طلب　　　　که حیف باشد از و غیر او تمنائے

فراق ووصل یعنی قبض اور بسط کیا ہوتا ہے، محض رضائے دوست کی طلب وفکر ہو، ''حیف باشد از وغیر او تمنائے'' اس کے سوائے کسی اور کی طلب بڑے افسوس کی بات ہے۔

ذکر بلاترتیب کافی نہیں

تو بس اب سیدھے سیدھے چلتے رہو، احوال کا طریان ختم ہوگیا، وہ ذات دل میں سرایت کرگئی، ذکر جاری ہوا۔ حالات طاری ہوئے اور وہ ذات ساری ہوگئی، یہ ہے ترتیب سلوک، باترتیب ذکر ہوتے ہوتے ذکر جاری، حالات طاری، وہ ذات ساری، بلا اس کے ساری نہیں، بلا اس کے سرایت نہیں، ذکر بلا ترتیب کافی نہیں، یہ ہے سلوک کا باترتیب طے کرنا۔

سلوک کو باترتیب طے کرنا چاہئے

ایک طالب اصلاح جوان لڑکے نے مستفتیاً حضرت والا رحمۃ اللہ علیہ کو لکھا کہ میرے والدین میری شادی کرنا چاہتے ہیں، حضرت کیا فرماتے ہیں؟ حضرت والا نے لکھا کہ تم سلوک کو ترتیب سے طے کرنا چاہتے ہو یا بلا ترتیب؟ انھوں نے لکھا کہ ترتیب سے۔ جواباً فرمایا تو ابھی شادی نہیں۔ پہلے ایسے ہوتے تھے تابع، شادی کی خوشی کو چھوڑ کر ترتیب سلوک کی شادی منظور ہے۔ دیکھا؟ یہ ہے ترتیب۔ تو معلوم ہوا کہ اصل تو ذکر ہے" اِنَّا نَحۡنُ نَزَّلۡنَا الذِّکۡرَ وَ اِنَّا لَہٗ لَحٰفِظُوۡنَ "(ہم نے ذکر کو نازل کیا ہے اور ہم اس کی حفاظت کرنے والے ہیں) (سورۂ حجر:۹)

ذکر انواع مختلفہ کا نام ہی طاعت کاملہ ہے

معلوم ہوا کہ اصل تو ذکر ہے البتہ اس کی صورتیں اس کے انواع مختلف ہیں اور انہیں کا نام ہے طاعت کاملہ، سب طاعات ذکر کے افراد ہیں اس لئے "کل مطیع للہ فہو ذاکر" کہا جاتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے جو احکام جن جن موقعوں پر جس جس طرح سے ہیں اللہ ہی کے لئے ان پر چلتا رہنے والا مطیع ہے اور وہی ذاکر ہے، یہ ہے ترتیب۔ اگر دل میں وہ ذات ساری ہوگئی ہوتی تو کیا باغوں کو ابھی پھل کا نام ہی نہیں پھول آنے پر خرید وفروخت کرتا، حالانکہ اس موقع پر منع کا حکم تھا، اس ساری ہونے کا تقاضا یہ تھا کہ وہ بیع کی ایسی صورت سے بچتا۔ پھر جب موقع پر اطاعت نہیں ہے وہ حقیقۃً ذاکر نہیں ہے، وہ ذات دل میں ساری بھی نہیں، نہ ذکر جاری ہے، ذکر کے معنی ہیں کہ اللہ تعالیٰ کی یاد اور دھیان دل کے اندر ہو، یہ کیسا دھیان ہے کہ اس موقع پر دھیان سے کام نہ لیا، آیات وعلامات سے صحیح پہچان ہوا کرتی ہے، اب ایسے مطیع کا طیران، اڑان کس درجہ ہوگا، ساری کی طرف اڑا چلا جارہا ہے، پیچھے سے کوئی دھکا نہیں دے رہا ہے بلکہ آگے سے کوئی کھینچے لے جارہا ہے۔

سالک کی چار قسمیں

چنانچہ سلوک میں سالک کی چار قسمیں ہیں۔ سالک محض، مجذوب محض، سالک مجذوب، مجذوب سالک۔ یہاں وہ مجذوب مراد نہیں جو کہ معروف قسم کا ہو، ان میں سے کسی کو تکوینی خدمت سپرد کردی جایا کرتی ہے، یہاں وہ نرا مجذوب مراد نہیں ہے، بلکہ سلوک میں سالک کی قسمیں ہیں، جو نرا مجذوب ہو کہ اس کو خدمت گار بنا کر تکوینی طور پر بجائے مَلَک کے مقرر کردیا، (مَلَک اور فرشتے) آسمانی ہیں اور یہ ارضی ہیں جیسے حضرت خضر علیہ السلام تکوینی خدمات پر مقرر ہیں، قرآن پاک میں ہے: ''وعلمنٰہ من لدنا علماً'' (اور ہم نے ان کو اپنے پاس سے علم دیا) (سورۂ کہف: ۶۵) حضرت موسیٰ علیہ السلام سے ان کا افضل ہونا ثابت نہیں ہوتا، بھلا کہاں حضرت موسیٰ علیہ السلام، کہاں خضر علیہ السلام، کہاں تشریع اور کہاں تکوین؟

ہاں ترتیب سلوک اور مراتب سالک کیا ہیں؟ سالک محض، مجذوب محض، سالک مجذوب، مجذوب سالک۔ پہلے طلب ہو کر، فہم دین آ کر ہدایت ہو کر اور انتہاء میں قرب و رضا حاصل ہو کر عملی چیز اس سفر کی یہ ہے کہ چلو، چلنا شروع کردیا، ابھی یہ سالک محض ہے بیچارہ۔ چلو، چلو، چلو، چلتے رہو، چلتے رہو، طلب واخلاص کے ساتھ چلتے رہو، چلتے چلتے جذب آ گیا، کھنچاوٹ ہوگئی، اب جذب کے ساتھ چلو، اب یہ سالک مجذوب ہو گیا۔ دوسری صورت یہ ہے کہ پہلے ہی کوئی بات خوشی احسان وانعام اور نعمت کی یا کوئی رنج اور دنیا سے بیزاری کی پیش آ گئی تھی تو اللہ تعالیٰ کے احکام وطاعت کے عمل کی طرف جذب ہو گیا، اور جب عمل کرتے کرتے چلا تو عمل میں اس کو کچھ مزہ آ گیا اور پچھلی زندگی کو بھول گیا تو پہلے وہ مجذوب ہوا اور پھر سالک ہوا اور چلتے چلتے مقناطیسی انداز پر کہ اب کوئی رواں (یعنی معمولی رفتار) کی بات نہیں ہے اب تو دواں (یعنی تیز رفتاری) کی بات ہے، تو اب جذب غالب آ گیا کہ جذب ہو کر سالک ہوا اور سالک ہو کر پھر جذب ہوا، اب اس کو یا تو وہیں اس سے خدمت خلق لینے کے لئے روک دیا یا وہیں پر اس کو چھوڑ دیا، جیسا کہ رات کو سو گیا حق تعالیٰ سے فرشتہ پوچھ رہا ہے کہ حضور اس کے بارے میں کیا حکم ہے؟ فرمادیا کہ ابھی اس کی زندگی ہے واپس کردو، ابھی اس سے کام لینا ہے اس کو یہاں مت روکو، تو بات یہ تھی کہ سالک ہو کر پھر جذب ہوا، تو اب یہ سالک مجذوب ہو گیا۔ اب جذب کھنچتا کھنچتا مثال کے طور پر آپ نے دیکھا کہ قلم سے لکھتے ہیں، قلم سے لکھا تو روشنائی زیادہ معلوم ہوئی تو کہا ارے بھائی تمہارے پاس جاذب ہے، جانتے ہو جاذب؟ جاذب، پہلے لکھے ہوئے پر لگا دیا

کرتے تھے وہ اس روشنائی کو اپنے اندر کھینچ لیتا تھا، اور اس سے پہلے یہ ہوتا تھا کہ ایک چھوٹی سی کٹوری میں ریت رکھ لیا اس میں چھوٹے چھوٹے سوراخ ہیں لکھے ہوئے پر ڈالدیا، یہ حرفوں اور نقوش کو خشک کرنے کا قدیم طریقہ تھا، پھر یہ نکلا جس کا نام جاذب ہے۔ غرض جب سلوک میں داخل ہو گیا اور پہلے کام شروع کر دیا تو سالک ہو گیا اور چلتے چلتے پھر وہ جذب آ گیا تو وہ ''سالک مجذوب'' ہو گیا، بیچ میں روکا نہیں، تو یا تو پہلے جذب ہو کر مجذوب اور پھر سالک، یا پہلے سالک ہو کر پھر مجذوب، اور زیادہ تر یہی ہے کہ سالک ہو کر مجذوب ہوتا ہے۔ تو سالک محض، مجذوب محض، مجذوب سالک، سالک مجذوب۔ پہلے سالک ہوا پھر مجذوب، آگے چلا سالک، پھر اس کے بعد دوسرا جذب طاری ہوا، سالک مجذوب، تو پہلے جذب کا زیادہ اعتبار نہیں اور بیچ کے جذب کا بھی زیادہ اعتبار نہیں ہے اس لئے کہ وہ مجاہدۂ اولیٰ ہے جب تک مجاہدہ ثانیہ آ جائے اس وقت تک تسلیم نہیں، اس سے جب نکل گیا تو اب قابل اعتبار و تسلیم ہوگا، تو سلوک میں ایک مجاہدۂ اولیٰ ہوتا ہے، پھر مجاہدۂ ثانیہ ہوتا ہے، لیکن اس کے باوجود اعتماد اپنے او پر کہیں نہیں ہے، مجاہدہ ثانیہ ہونے پر بھی نہیں ہے۔

تو ''آ گئے ستانے کے لئے'' آج ستانے کی شرح ہو گئی یا ابھی نہیں ہوئی؟ جب آپ حضرات آئے تھے تو احقر نے یہی کہا تھا کہ ستا لئے، سستی دور ہو گئی چستی لے کر آ گئے، ستانے کے لئے آ گئے۔ ارے محبوب تو ستایا ہی کرتا ہے اور محبّ اس کو اٹھایا کرتا ہے، جب تک یہ نہیں ہے اس وقت تک محبت کا مزہ نہیں ہے۔ اسی لئے سلوک کا مسئلہ ہے کہ شیخ کی ذات ترابی سے محبت ہو اور اس کے اوصاف و کمالات سے قطع نظر ہو، ایسے ہی ذات وجود وجوبی سے محبت ہو قطع النظر عن الصفات ہو۔ اسی کو احقر نے عرض کیا تھا کہ شیخ کے خانگی معاملات و حالات پر نظر اور دخل نہیں ہے۔

سلوک و تصوف کا لب لباب

لہٰذا ذات وجود وجوبی کے گھر پر نظر نہیں، خانگی معاملات پر نظر نہیں کہ کس کے ساتھ کیا کر رہا ہے کیوں کر رہا ہے؟ اس کے ساتھ اس طرح کیوں کیا ہے؟ اس کے ساتھ اس طرح کیوں نہیں کیا ہے؟ ارے ''**خلق الله اطفال الله**'' (یعنی اللہ کی مخلوق اللہ کا عیال ہے)۔ جب شیخ کے خانگی معاملات پر نظر نہیں تو ذات باری تعالیٰ کے کاموں پر، ان کے گھر پر کہ سارا عالم ان کا گھر ہے اس پر کیا نظر؟ کہ اس کو مالدار بنایا، اس کو غریب بنایا اس کو تندرست بنایا اس کو بیمار بنایا، اسکو بادشاہت دیدی، اس کو غریبی دیدی۔

یہ فضل الٰہی ہے، میرے حضرت کی برکت ،ان کا فیضان ہے جس سے تفصیلی بیان ہو گیا۔حاصل کلام یہ ہے کہ جب مخلوق اپنے محبوب مخلوق شیخ کے گھریلو چیزوں پر سے نظر انداز ہے تو ذات باری تعالیٰ وجود وجوبی کے گھر پر سے نظر انداز بطریق اولیٰ ہو کہ وہ جس کے ساتھ جو چاہے جس طرح کرے، اس میں اس کا کیا دخل؟ وہاں شیخ کی ذات ترابی سے محبت ہو، یہاں ذات وجود وجوبی سے ہو، بس توجہ الی الذات البحت مع قطع النظر عن الصفات ہو، وصلی اللہ علی خیر خلقہ محمد وآل واصحابہ اجمعین ۔

خدا حافظ

❁

’’کشف القرآن‘‘ سے اقتباس

مفسر قرآن حضرت مولانا **سید محمد غیاث الدین صاحب** مظاہری دامت برکاتہم

دوسری جاہلیت

’’پہلی جاہلیت‘‘ کے لفظ میں شاید اس طرف بھی اشارہ ہے کہ اس کے بعد کوئی دوسری جاہلیت بھی آنے والی ہے۔چنانچہ موجودہ زمانہ کی بیحیائی اور ننگے پن کی شکل میں’’دوسری جاہلیت‘‘ آج ہمارے آنکھوں کے سامنے ہے، جس نے’’پہلی جاہلیت‘‘ کو بھی پیچھے کر دیا ہے۔اب اس کا’’کلچرل‘‘ ’’ثقافت‘‘ ’’تہذیب جدید‘‘ اور’’آرٹ‘‘ وغیرہ جو کچھ اور جیسا کچھ بھی خوشنما اور دلفریب نام رکھ لیا جائےلیکن ہے وہ جاہلیت ہی جس کا اسلام سے کوئی تعلق نہیں ہے۔العیاذ باللہ

جب برائی عام ہو جائے اور کوئی روک ٹوک والا نہ ہو تو سخت عذاب آنے کا اندیشہ ہے

كَانُوا لَا يَتَنَاهَوْنَ عَنْ مُنْكَرٍ فَعَلُوهُ ط جو برا کام انھوں نے اختیار کر رکھا تھا اس سے وہ ایک دوسرے کو منع نہیں کرتے تھے۔(آیت:۷۹) ’’لا یتناہون‘‘ کے دو معنی ہو سکتے ہیں: ایک یہ کہ وہ’’باز نہ آتے تھے، رکتے نہیں تھے‘‘ یعنی بار بار تبلیغ وہدایت کے باوجود اپنے کفر سے باز نہ آتے تھے بلکہ اس پر جمے ہوئے تھے۔اور دوسرے معنی یہ ہیں کہ’’وہ ایک دوسرے کو روکتے نہ تھے‘‘ اس سے معلوم ہوا کہ برائی ہوتے ہوئے دیکھنا اور اس سے نہ روکنا خود بہت بڑا جرم ہے، جب برائی عام ہو جائے اور کوئی روکنے ٹوکنے والا نہ ہو تو عام عذاب آجانے کا سخت اندیشہ ہے۔(العیاذ باللہ) (ملاحظہ کیجئے کشف القرآن)

فقہی مسائل

وضو کے مسائل

وضوتوڑنے والی چیزوں کا بیان

مسئلہ: اگر کسی کے کوئی زخم ہو اس میں سے کیڑا نکلے یا کان سے نکلے یا زخم میں سے کچھ گوشت کٹ کر گر پڑے اور خون نہیں نکلا تو اس سے وضونہیں ٹوٹا۔

مسئلہ: اگر کسی نے فصد لگوائی یا نکسیر پھوٹ گئی یا چوٹ لگی اور خون نکل آیا، پھوڑے پھنسی سے یا بدن بھر میں اور کہیں سے خون نکلا یا پیپ نکلی تو وضوٹوٹ جائے گا۔البتہ اگر زخم کے منھ ہی پر رہے زخم کے منھ سے آگے نہ بڑھے تو وضونہیں گیا،تو اگر کسی کے سوئی چبھ گئی اور خون نکل آیا لیکن بہانہیں ہے تو وضونہیں ٹوٹا۔اور اگر ذرا سا بھی بہہ پڑا ہو تو وضوٹوٹ گیا۔

مسئلہ : اگر کسی نے ناک صاف کی اور اس میں جمے ہوئے خون کی پھٹکیاں نکلیں تو وضونہیں گیا، وضو جب ٹوٹتا ہے کہ پتلا خون نکلے اور بہہ پڑے سو اگر کسی نے اپنی ناک میں انگلی ڈالی پھر جب اس کو نکالا تو انگلی میں خون کا دھبہ معلوم ہوا لیکن وہ خون بس اتنا ہی ہے کہ انگلی میں تو ذرا سا لگ جاتا ہے لیکن بہتا نہیں تو اس سے وضونہیں ٹوٹتا۔

مسئلہ : کسی کے آنکھ کے اندر کوئی دانہ وغیرہ تھا وہ ٹوٹ گیا یا خود اس نے توڑ دیا اور اس کا پانی بہہ کر آنکھ میں تو پھیل گیا لیکن آنکھ کے باہر نہیں نکلا تو اس کا وضونہیں ٹوٹا اور اگر آنکھ کے باہر پانی نکل پڑا تو وضوٹوٹ گیا۔ اسی طرح اگر کان کے اندر دانہ ہو اور ٹوٹ جائے تو جب تک خون پیپ سوراخ کے اندر اس جگہ تک رہے جہاں پانی پہنچانا غسل کرتے وقت فرض نہیں ہے تب تک وضونہیں جاتا اور جب ایسی جگہ آجائے جہاں پانی پہنچانا فرض ہے تو وضوٹوٹ جائے گا۔

مسئلہ : کسی نے اپنے پھوڑے یا چھالے کے اوپر چھلکا نوچ ڈالا اور اس کے نیچے خون یا پیپ دکھلائی دینے لگا لیکن وہ خون پیپ اپنی جگہ پر ٹھہرا ہے کسی طرف نکل کے بہا نہیں تو وضونہیں ٹوٹا اور جو بہہ پڑا تو وضو ٹوٹ گیا۔

مسئلہ : کسی کے پھوڑے میں بڑا گہرا گھاؤ ہو گیا تو جب تک خون پیپ اس گھاؤ کے اندر ہی اندر ہے باہر نکل کر بدن پر نہ آئے اس وقت تک وضونہیں ٹوٹتا۔

مسئلہ : اگر پھوڑے پھنسی کا خون آپ سے نہیں نکلا بلکہ اس نے دبا کے نکالا ہے تب بھی وضوٹوٹ جائے گا جب کہ وہ خون بہہ جائے۔

مسئلہ : کسی کے زخم سے ذرا ذرا خون نکلنے لگا اس نے اس پرمٹی ڈالدی یا کپڑے سے پوچھ لیا، پھر ذرا سا نکلا پھر اس نے پوچھ ڈالا اسی طرح کئی دفعہ کیا کہ خون بہنے نہ پایا تو دل میں سوچے اگر ایسا معلوم ہو کہ اگر پوچھا نہ جاتا تو بہہ پڑتا تو وضوٹوٹ جائے گا اور اگر ایسا ہو کہ پوچھا نہ جاتا تب بھی نہ بہتا تو وضو نہ ٹوٹے گا۔

مسئلہ : کسی کے تھوک میں خون معلوم ہوا تو اگر تھوک میں خون بہت کم ہے اور تھوک کا رنگ سفیدی یا زردی مائل ہے تو وضو نہیں گیا اور اگر خون زیادہ یا برابر ہے اور رنگ سرخی مائل ہے تو وضوٹوٹ گیا۔

مسئلہ : اگر دانت سے کوئی چیز کاٹی اور اس چیز پر خون کا دھبہ معلوم ہوا یا دانت میں خلال کیا اور خلال میں خون کی سرخی دکھائی دی لیکن تھوک میں بالکل خون کا رنگ معلوم نہیں ہوتا تو وضو نہیں ٹوٹا۔

مسئلہ : اگر مچھر یا مکھی یا کھٹمل نے خون پیا تو وضو نہیں ٹوٹا۔

مسئلہ : کسی کے کان میں درد ہوتا ہے اور پانی نکلا کرتا ہے تو یہ پانی جو کان سے بہتا ہے نجس ہے اگر چہ کچھ پھوڑا یا پھنسی نہ معلوم ہوتی ہو۔ پس اس کے نکلنے سے وضوٹوٹ جائے گا۔ جب کان کے سوراخ سے نکل کر اس جگہ تک آجائے جس کا دھونا غسل کرتے وقت فرض ہے۔ اسی طرح اگر ناف سے پانی نکلے اور درد بھی ہوتا ہے تو اس سے بھی وضوٹوٹ جائے گا۔ ایسی ہی اگر آنکھیں دکھتی ہوں اور کھٹکتی ہوں تو پانی بہنے اور آنسو نکلنے سے وضو جاتا ہے اور اگر آنکھیں نہ دکھتی ہوں اور نہ اس میں کچھ کھٹک ہو تو آنسو نکلنے سے وضو نہیں ٹوٹتا۔

مسئلہ : اگر چھاتی سے پانی نکلتا ہے اور درد بھی ہوتا ہے تو وہ بھی نجس ہے اس سے وضو جاتا رہے گا اور اگر درد نہیں تو نجس نہیں ہے اور اس سے بھی وضو نہیں ٹوٹے گا۔

مسئلہ : اگر قے ہوئی اور اس میں کھانا یا پانی یا پت گرے تو اگر منہ بھر قے ہوئی تو وضوٹوٹ گیا اور بھر منہ قے نہیں ہوئی تو وضو نہیں ٹوٹا۔ اور بھر منہ ہونے کا مطلب یہ ہے کہ مشکل سے منہ میں رکے اور اگر قے میں نرا بلغم گرا تو وضو نہیں گیا چاہے کم ہو یا زیادہ۔ بھر منہ ہو یا زیادہ۔ اگر جما ہوا ٹکڑے ٹکڑے گرے اور بھر منہ ہو تو وضو ٹوٹ جائے گا اور اگر کم ہو تو وضو نہ جائے گا۔ (بہشتی زیور بتغییر یسیر)

RNI TITLE CODE : UPBIL04930

Quarterly

AL KASH SHAAF

Allahabad

Research Journal

Voulume : 7 Issue No. : 4
October to December 2023

ملنے کا پتہ: مکتبہ الاشرف 9,I/2,I آزادنگر، کرامت کی چوکی، کریلی الہ آباد Mb.7839216040

Editor: Dr. Mohammad Ziauddin

FLAHUL IBAAD TRUST

Printed & Published by Dr. Mohammad Ziauddin on behalf of
Flahul Ibaad Trust Allahabad 211016 through Jai Printers Allahabad.